جلد 18 شمارہ 8 ماہ اگست 2016ء ذی العقد 1437ھ

واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا

صداقت اللہ محبت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض ومقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف وکرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب وعرفان اور اس کی رضا ولقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد وبغض، تجسّس وغیبت اور ہوا وہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم ورضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل وعیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح وخدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح وفلاح کا علمبردار

بیاد
خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈارؒ
بانی مجلّہ فلاح آدمیت

نگران وسرپرست اعلیٰ: جناب **محمد یعقوب توحیدی** شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
0344-9000042

مجلس ادارت

مدیر	احمد رضا خان 0321-6400942
معاون مدیر	خالد محمود بخاری 0300-7374750
نائب مدیر	سید رحمت اللہ شاہ 0333-4552212

خالد مسعود، وحید احمد
پیر خان، عتیق احمد عباسی
حافظ محمد یٰسین، عبدالقیوم ہاشمی
پروفیسر محمد شبیر شاہد ہوتوانی
ماجد محمود توحیدی

ترسیل: **فہد محمود ، محمد ریاض**

شیخ سلسلہ ومدیر سے رابطہ
مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph: 055-3411030 ای میل: info@tauheediyah.com
Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے ✿✿✿ سالانہ فنڈ -/300 روپے

اس شمارے میں

تصوف

(خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

ذہنی لحاظ سے ہر قوم کے تین حصے کئے جاسکتے ہیں ادنیٰ، اوسط اور اعلیٰ ۔ان میں سے ادنیٰ طبقے کے لوگ عوام کہلاتے ہیں اور ہر قوم کا بڑا حصہ انہیں پر مشتمل ہوتا ہے، ان میں تلاش و تحقیق کا مادہ بالکل نہیں ہوتا ۔یہ صرف مقلد اور لکیر کے فقیر ہوتے ہیں جیسا کسی سے سن لیتے ہیں یا اپنے آبا وَاجداد کو کرتا دیکھتے ہیں، اسی کو اختیار کر لیتے ہیں ۔عام مسلمانوں کا بھی یہی حال ہے، اللہ رسول یا ان کے بارے میں جو کچھ باپ دادا سے سنا وہی ان کا سرمایہ عقائد و اعمال ہے ۔ان کو خیال بھی نہیں آتا کہ اللہ کیا ہے، کیسا ہے، کہاں ہے؟ اور اس کی موجودگی کا ثبوت کیا ہے؟ اس قسم کے سوالات ہزاروں میں سے ایک دو کے دل میں پیدا ہوتے ہیں مگر وہ لوگ بھی معمولی قسم کی دلیلوں سے مطمئن ہو جاتے ہیں، مثلاً جب ان سے کہا جائے کہ دنیا میں کوئی ایسی چیز بتا سکتے ہو جس کو کسی نے نہ بنایا ہو خود بخود پیدا ہو گئی ہو، تو وہ یہی جواب دیں گے کہ نہیں ۔اب ان سے کہا جائے کہ پھر یہ کائنات یعنی کرہ ارض، آسمان، چاند، سورج، ستارے وغیرہ خود بخود کس طرح پیدا ہو سکتے ہیں؟ ثابت ہوا کہ ان کا بنانے والا بھی کوئی ضرور ہے ۔اس دلیل سے ان کی تسلی ہو جاتی ہے، لیکن کچھ خاص لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو ذرا آگے سوچتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ جب ہر چیز کا کوئی بنانے والا ضرور ہوتا ہے تو پھر اللہ کا پیدا کرنے والا بھی ضرور ہونا چاہئے ۔یہیں سے منطق، فلسفہ اور علم کلام کی کبھی ختم نہ ہونے والی بحثیں شروع ہو جاتی ہیں ۔ان کا نتیجہ ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ جو زیادہ تعلیم یافتہ اور لسان ہو وہ مدمقابل کو خاموش کر دیتا ہے، گو اس کی تسلی نہ بھی کر سکے ۔لیکن ان بحثوں سے یہ فائدہ بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور غیب کی دوسری چیزوں کے متعلق تلاش و جستجو بڑھتی چلی جاتی ہے اور ہر طالب اپنی طلب اور علم و عقل کے مطابق کسی نہ کسی مقام پر مطمئن ہو جاتا ہے یا انکار کر دیتا ہے

ان ہزار ہا طالبوں میں دو چار ایسے بھی ہوتے ہیں جو کسی استدلال عقلی سے مطمئن نہیں ہوتے بلکہ آنکھوں سے دیکھ کر ماننا چاہتے ہیں ۔یہ دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ جو محض ضد اور تعصب کی وجہ سے قائل ہونا ہی نہیں چاہتے ، دوسرے وہ جو واقعی دل سے معرفت یا دیدار باری تعالیٰ کے متمنی ہوتے ہیں ۔وہ یہ جاننے کے لئے بھی بے تاب ہوتے ہیں کہ مادے کے ان کثیف پردوں میں جو عالم لطیف مستور ہے کیسا ہے؟ انسان کیا ہے؟ روح کیا ہے؟ فرشتے کیا ہیں؟ دوزخ جنت کی حقیقت کیا ہے؟ یہی ہیں وہ مبارک لوگ کہ جب اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاتے ہیں تو اولیاء اللہ کے لقب سے ملقب ہوتے ہیں ۔ان پر وہ حقیقت کبریٰ بے نقاب ہوجاتی ہے جس کو معلوم کرنے کے لئے دنیا بھر کے فلاسفر اور سائنسدان مادی ظلمات کے اندھیرے میں ٹا مک ٹوئیاں مارتے مارتے فنا ہوگئے اور نامراد رہے ۔لیکن معرفت اور اس سے بھی بڑھ کر رویت باری تعالیٰ کا حصول کوئی مذاق یا دل لگی نہیں ہے تاہم یہ محال بھی نہیں ۔ قرآن کریم میں رویت باری تعالیٰ کے متعلق بہت سی آیتیں ہیں، ان میں کچھ ایسی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ رویت قیامت میں ہوگی ، دوسرا کہتا ہے کہ مرنے کے بعد ہی ہوجائے گی ، تیسرا گروہ جس میں عام طور پر صوفیاء اور اولیائے کرام شامل ہیں دعویٰ کرتا ہے کہ رویت باری تعالیٰ اسی زندگی میں میسر آسکتی ہے اور جس کو یہاں میسر نہ آئی اسے آخرت میں بھی میسر نہ آئے گی ۔ان کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ معرفت اور دیدار باری تعالیٰ کی خواہش بھوک اور پیاس کی طرح ایک فطری اور جبلی خواہش ہے خواہ لاکھوں میں سے صرف ایک دو آدمیوں کے دل میں ہی کیوں نہ ہو ۔اور مشاہدہ کہتا ہے کہ جتنی خواہشات قدرت نے پیدا کی ہیں، ان سب کی تسکین کا سامان ضرور پیدا کیا ہے، مثلاً بھوک اور پیاس پیدا کی ہیں تو ان کی تسکین کے لئے طرح طرح کے ماکولات اور مشروبات پیدا کردئے ہیں، یہی حال دوسری شہوات وخواہشات کا ہے، پھر یہ کسی طرح ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دیدار اور عرفان کی خواہش تو کسی انسان کے دل میں فطرتاً رکھ دی ہو لیکن اس کی تسکین کا سامان اور حصول کے ذرائع پیدا نہ کئے ہوں ۔دوسرے یہ بزرگ

کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو قرآن میں فرمایا ہے:۔

وَمَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى بنی سرائیل۔72)

یعنی ''جو یہاں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا''۔اس کا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہوسکتا ہے کہ جس نے یہاں اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا وہ وہاں بھی نہ دیکھے گا، پھر قرآن کریم میں یہ بھی ہے کہ

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ (الحج46)

یعنی ''ان کی ظاہری آنکھیں اندھی نہیں ہوں گی بلکہ ان کے سینوں میں جو دل ہیں وہ اندھے ہوں گے''اور ظاہر ہے کہ یہ آنکھیں اللہ تعالیٰ کی صفاتی شانوں مثلاً نور وغیرہ ہی کو دیکھ سکتی ہیں اس کی ذات تو صرف دل کی آنکھوں ہی سے نظر آسکتی ہے۔ان آیات کے علاوہ ایک جگہ یوں بھی ارشاد ہوتا ہے کہ

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى (طٰہٰ۔124)

یعنی ''جس نے اعراض کیا میری یاد سے یقیناً اس کے واسطے (روحانی) معیشت کی تنگی ہے اور قیامت کے دن ہم اس کو اندھا اٹھائیں گے''یعنی وہ ہمارے دیدار سے محروم رہے گا۔ گویا اس آیت میں بھی بتا دیا گیا ہے کہ دیدار الٰہی حاصل کرنے کا ذریعہ یاد الٰہی ہے۔الغرض ان آیات پر غور کیا جائے تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کو یہاں نہیں دیکھیں گے آخرت میں بھی نہ دیکھیں گے یا بہ زبان حاضریوں کہئے کہ جن کو یہاں بصیرت باطنی حاصل نہیں ہوگی وہ آخرت میں بھی اس سے محروم رہیں گے کیونکہ ''دنیا آخرت کی کھیتی ہے''جو بیج بوؤ گے اسی کے پھل وہاں کھاؤ گے۔جو لوگ اس دنیا میں رویت باری تعالیٰ کے قائل نہیں وہ کہتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو باوجود درخواست کے یہاں رویت میسر نہ آئی تو کسی غیر پیغمبر کو کس طرح آسکتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وادی طویٰ میں جو آگ موسیٰ علیہ السلام کو دکھائی گئی تھی اور اس میں سے آواز آئی

تھی کہ ''میں تیرا رب ہوں'' اور ''میں ہی ہوں اللہ'' تو کیا یہ دیدار الٰہی نہ تھا، لیکن اس طرح اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر جب ایک عرصہ بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر درخواست کی کہ اے اللہ میں تجھ کو دیکھنا چاہتا ہوں، تو جواب ملا کہ ''تو نہیں دیکھ سکتا'' اور جب زیادہ ضد کی تو طور کا واقعہ پیش آیا۔ اب سوال یہ ہے کہ پہلے تو بغیر کسی سوال بلکہ کسی خواہش کے خود اپنا جلوہ دکھایا اور دوسری مرتبہ بار ہا درخواست کرنے پر انکار کر دیا۔ اس کی کیا وجہ تھی؟ تو وجہ اس کی یہ ہے کہ پہلی مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان مادی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو بصورت نور دیکھا تھا۔ دوسری مرتبہ جو درخواست کی تھی تو وہ اللہ تعالیٰ کی ذات بے رنگ و بو کو انہی مادی آنکھوں سے دیکھنے کے لئے کی تھی۔ اور یہ بات ممکن نہیں، اس لئے انکار کر دیا گیا یا یوں کہیے کہ معاملہ کو خوبصورتی سے ٹال دیا گیا بحر حال ہم اس بات پر زیادہ بحث نہیں کرنا چاہتے بلکہ وہ طریقے بیان کرتے ہیں جن سے بفضل خدا اس کا دیدار میسر آسکتا ہے۔ مگر یہ جو کچھ ہم لکھ رہے ہیں صرف اہل طلب کے لئے ہے۔

اب جاننا چاہئے کہ عرفان یا لقائے باری تعالیٰ کے ذریعہ ایمان کامل پیدا کرنے کا سوال سامنے آتے ہی ہم اپنے آپ کو ایک ایسے علم سے دوچار پاتے ہیں جس کا نام تصوف ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ابتداء میں کئی صدیوں تک جب حکومت کے نشہ اور دولت کی بہتات سے عامتہ المسلمین کے صراط مستقیم سے بھٹک جانے کا خطرہ لاحق تھا تصوف اور صوفیاء کرام نے ان کو راہ راست پر قائم رکھنے میں حصہ لیا، لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ آخری صدیوں میں مسخ شدہ تصوف اور علم سے بے بہرہ صوفیوں کی لایعنی اور خلاف قرآن تعلیم سے جو نقصان عظیم ملت اسلامیہ کو تصوف سے پہنچا ہے وہ اور کسی بات سے نہیں پہنچا۔

نقوشِ مہر و وفا

(فرمودات قبلہ باباجان محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

مرتب: سید رحمت اللہ شاہ

باباجانؒ نے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی دعوت پر بات کرتے ہوئے فرمایا:

ذکر وغیرہ جو بتایا گیا ہے یہ باقاعدگی سے کرنا ہے۔ نمازوں کی پابندی میں سستی کا کوئی جواز نہیں ہے۔ اللہ والوں کی راہ پر چلنا ہے تو یہاں سستی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ہر چیز فرسٹ کلاس ہونی چاہیے۔ نمازوں کی پابندی، قرآن کریم روزانہ پڑھیں۔ تلاوت کے ساتھ۔ ترجمہ کے ساتھ۔ جتنا بھی ٹائم ہے اس کے مطابق۔ ترجمہ پڑھنا ضروری ہے تاکہ ہمیں پتا چلے کہ اللہ تعالیٰ نے کیا احکام نازل فرمائے ہیں۔ وہ ہمیں کیسا دیکھنا چاہتے ہیں۔ کون سے کام کرنے ہیں۔ کن سے رُکنا ہے۔ قرآن یہی تعلیم دیتا ہے۔ جو کرنے کے کام ہیں ان پر ہر ممکنہ طور پر عمل کرنا ہے اور جن سے رُکنے کا کہا ہے ان سے رکا جائے، یہی اسلام کی تعلیم ہے۔ اسی پر چلتا جائے انسان۔ ساتھ اللہ کا ذکر جو بتایا گیا ہے وہ کرتے رہیں۔ انشاءاللہ تعالیٰ دل جو ہے وہ Charge رہے گا، زندہ رہے گا اللہ کی یاد سے۔ خدا کے ذکر سے ساری مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں۔ یہ جو اللہ فرماتا ہے کہ جو مجھے یاد کرتا ہے میں بھی اسے یاد کرتا ہوں۔ اللہ کے انوار و برکات کا نزول ہوتا رہتا ہے اس بندے پر جو بھی ہے وہ جو اللہ کا ذکر کرتا ہے۔

کسی سلسلہ میں مرید ہوں تو تمام وہ بزرگ جو بیعت کے سسٹم میں آتے ہیں، تمام کے تمام کی برکات کا نزول انسان پر ہوتا رہتا ہے جو بھی ان کے سلسلے میں شامل ہو جاتا ہے۔ یہ بڑی برکت ہوتی ہے اس (سلسلۂ بیعت) میں آنے کی۔ روزانہ اپنا ذکر طریقے سے جیسے بتایا گیا ہے ویسے کریں۔ بلند آواز سے مناسب ہے تو بلند ورنہ آہستہ، اپنے جو بھی حالات ہوں۔ رات کی کسی

نماز کے بعد ذکر نفی اثبات ،مغرب یا عشاء، فجر یا تہجد۔

پاس انفاس جو ہے یہ ہر وقت کیا جاتا ہے، جو بھی ٹائم ملے وہ ضائع نہ جانے دو۔'جو دم غافل ،سو دم کافر' والی بات یاد رکھیں۔کوئی سانس اللہ کی یاد کے بغیر نہ جائے۔اس لئے یہ'پاس انفاس'اس کا نام ہی اسی وجہ سے رکھا ہے۔'پاس انفاس'یعنی سانسوں کا دھیان رکھنا۔دھیان یہ رکھنا ہے کہ اللہ کی یاد کے بغیر نہ آئے، نہ جائے۔کمال کا ذکر ہے۔یہ تسبیحوں پر گننے کا نہیں ہے۔ سانس کے ساتھ کرو۔ہر سانس جو اندر جائے وہ اللہ کا نام لے کر اندر جائے۔اس میں برکت ہو گی۔انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد انسان کو معلوم ہونا شروع ہو جائے گا کہ وہ راہِ راست پر چل رہا ہے۔یہ صحیح اللہ کا راستہ ہے۔اللہ کی یاد سے تقویت ہوتی ہے۔اللہ راستوں کو روشن کر دیتا ہے۔ بہت اچھے اچھے خواب،اور نیک دعائیں،اور اچھے مقامات مقدسہ کی سیر، بزرگوں کی ارواح سے ملاقاتیں، انبیاء کی ارواح سے ملاقاتیں، اور یہ سارے سیر وسلوک ہوتے ہیں تصوف کے رنگ میں۔جیسے جیسے روح جو ہے یہ دنیوی آلائشوں سے پاک ہوتی جاتی ہے، اللہ کے ذکر سے اسے جلا ملتی ہے۔وہ آئینہ صاف ہو جاتا ہے۔اس میں سب کچھ پھر اسے دکھائی دینے لگتا ہے۔اس کی صفائی کیلئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث بھی ہے کہ جسم میں ایک ٹکڑا ہے، یہ اگر ٹھیک ہو جائے تو سارا جسم ٹھیک ہو جاتا ہے۔اگر یہ خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے۔فرمایا وہ 'دل' ہے۔یہ مرکز ہے۔ویسے بھی انسان کا جسمانی لحاظ سے بھی وہی مرکز ہے۔دل گیا تو سب کچھ گیا۔دل چل رہا ہے تو سارا سسٹم صحیح کام کر رہا ہے۔روحانی طور پر بھی جو روحانی قلب ہے اسے Center کہا گیا ہے۔وہ وہی ہے۔وحی کا نزول بھی قلب پر ہوتا ہے۔جبرائیلؑ کا بھی کہا کہ یہ اسی پر قرآن اتارتا ہے۔لَا اِلٰـــہَ اِلَّا الـلّٰــہُ کی ضرب کا بھی کہا کہ یہ قلب پر لگانی ہے۔ اِلَّا اللّٰہُ خیال کرو کہ اللہ موجود ہے۔

بڑا آسان سا، سادہ سا سلیبس ہمیں انصاری صاحبؒ نے بنا دیا ہے نوجوان لوگوں کیلئے کہ جو بھی اس سے فائدہ اُٹھانا چاہتے ہیں وہ کر لیں۔طویل ذکر نہیں ہے۔نہ راتوں کو جگانا ہے۔

نہ چلنے کاٹنے والا ہے۔انسان Busy ہوگیا ہے۔اس کا سلیبس بھی مختصر باباجیؒ نے بنا دیا ہے۔ ایک تسبیح ،دو تسبیح ،اس سے زیادہ فرمایا کہ نہ کرو۔ایک تسبیح بہت ہے۔دس پندرہ منٹ سے زیادہ نہ کرو۔فرمایا کہ یہ بیٹری چارجنگ کی طرح ہے۔یہ جیسے موبائیل کی بیٹری چارجنگ پرلگا دی، یہ وہ ہے۔اصل ذکر فرمایا کہ وہ (پاس انفاس) ہے کہ دن کے اوقات میں کسی وقت بھی انسان اللہ کو بھولے نہیں۔جس سے پیار ہو جائے وہ بندہ نہیں بھولتا تو اللہ کیسے بھول سکتا ہے۔پیار ہو سہی۔ تو یہ اس (اللہ) کی محبت کی ابتداء ہے۔اسی لئے اللہ والوں کی محبت کی ضرورت پڑتی ہے کہ ان کے فیضِ صحبت سے محبت کی بوٹی وہاں (دل میں) پھوٹتی ہے۔حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں کہ

؎ ''الف اللہ چنبے دی بوٹی مرشد من میرے وچ لائی ہُو۔

بوٹی وہ (مرشد) لگاتا ہے۔پھر وہ کہتا ہے کہ اسے روزانہ گھیڑا لگا کر نفی اثبات کا پانی ڈالنا ہے۔یہ بوٹی پھر بڑھے گی۔اگر اسے پانی دو گے تو اس پر پھل پھول لگ جائیں گے۔

؎ نفی اثبات دا پانی ملیا، ہر رگے ہر جائی ہُو
اندر بوٹی مُشک مچایا، جان پھُلن نوں آئی ہُو
جیوے سُو ہنا مرشد باہو، جس اَے بُوٹی لائی ہُو۔

بڑھ جائے گی یہ۔اسے پھل پھول لگیں گے۔اس کی خوشبو سے خدا کی محبت میں مست ہو جائیں گے۔تو پھر وہ مرشد کو دعائیں دیتا ہے کہ اس (مرشد) کے فیضِ صحبت سے یہ (بوٹی) لگی اس کو پانی ملا۔اس (مرشد) نے اس کی پرورش کی۔اللہ کا راستہ جو ہے وہ مرشد ہی دکھانے والا ہوتا ہے۔ہمیشہ اپنے پیر کی، اپنے مرشد کی عزت کرو، احترام کرو۔پرانے بزرگوں کی کتابوں میں لکھا ملتا ہے کہ اس (مرشد) کے مصلّے پر کھڑے ہو کر نماز بھی نہ پڑھو، اِدھر اُدھر پڑھو۔بلکہ اپنا سایہ بھی اپنے مرشد کے سائے پر نہ پڑنے دو۔یہاں تک لکھا ہے۔ہمارے سلسلے میں تو ان باریکیوں میں نہیں پڑا جاتا لیکن ہوتا ایسے ہی ہے کہ اس کو سمجھیں آپ کہ وہ میرا مرشد ہے۔ وہ مجھے راستہ دکھانے والا ہے۔

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدیؒ کا خط بنام: سید رحمت اللہ شاہ

مورخہ: 20.01.1998

سب سے پہلے تو آپ کو اس مضمون پر مبارکباد دیتا ہوں جو گزشتہ ماہ اصلاح انسانیت میں آپ نے لکھا تھا۔ بڑی عمدہ بات، نہایت اچھے انداز میں بیان کی تھی۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ ہو۔

☆......ملاقات کے دوران نا رملانے کے فن اور اس کی اہمیت سے کم بھائی واقف ہیں۔ اس سے بڑا فائدہ ہوتا ہے اور مرید پر شیخ کا رنگ چڑھ جاتا ہے اسے قائم رکھنا۔

☆......سید راشد داؤد صاحب کو کتابیں پڑھنے کو دے دیں۔ ان کا قلب محبت کی کھیتی کیلئے زرخیز ہے اسی لئے ان سے مل کر آپ کو لطف آتا ہے۔ انہیں بھی ضرور مزہ آتا ہوگا۔ مجھے جمعیت کی سرگرمیوں کا پوری طرح علم نہیں ہے۔ میں ذاتی طور پر تعلیم کے دوران عملی سیاسی سرگرمیوں کے خلاف ہوں کہ اس سے تعلیم میں حرج اور ماحول میں خرابی پیدا ہوتی ہے۔ ذہنی اور اخلاقی تربیت تک اگر کام کو محدود رکھا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اپنے سوا کسی بھی دوسرے کو حق پر نہ سمجھنا کوئی اچھی بات نہیں ہے، اس سے جھگڑا اور فساد پیدا ہوتا ہے۔ آپ راشد صاحب کو کتابیں پڑھنے کو دے دیں، آگے جو اللہ کو منظور ہوگا وہی ہوگا۔ ذاتی، قومی اور بین الاقوامی امور میں بھی یہی اندازِ فکر رکھنا چاہیے۔ اعلائے کلمۃ الحق کیلئے بھرپور جدوجہد تو ضرور کی جائے لیکن انجام کار اور نتائج کیلئے اللہ تعالیٰ پر ہی توکل کرنا چاہیے۔ اگر کوئی فرد، جماعت یا قوم اللہ تعالیٰ کے مشن کیلئے اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے طریقہ پر کام کرے گی تو اللہ تعالیٰ یقیناً اس کی مدد فرمائیں گے۔

☆......شاہد صاحب اوران کے احباب کواللہ کے سپرد کردیں وہ خود ان سے نمٹ لے گا۔ ہاں! ان کی ہدایت کیلئے دُعا ضرور کیجئے۔ وہ حد سے گزرتے ہیں تو گزرنے دیں ان کی ابتداء ہی حدود توڑنے سے ہوئی ہے۔ وہ جو شنائی صاحب آتے ہیں، میں انہیں خط لکھ رہا ہوں کہ وہ ہمارے حلقہ میں نہ آیا کریں۔ آپ میاں انور صاحب اور شاہد آفتاب احمد خان صاحب کو بھی بتادیں۔ میں بھی میاں صاحب کو لکھ دوں گا۔

☆......ہم نے آپ کو اپنا بیٹا بنالیا ہے۔ بیعت جب دل قبول کرلے تو اسی وقت ہوجاتی ہے۔ ہاتھ میں ہاتھ دے کر رسم ادا کرنے کی تقریب جب موقع ملے گا پوری کرلیں گے۔ بانیٔ سلسلہؒ نے تو چھ ماہ کا عرصہ مقرر کر رکھا ہے۔ مقصود اس سے یہی ہے کہ فریقین ایک دوسرے کو پرکھ لیں اور تعلیم کے عملی فیوض و برکات کا آغاز بھی ہوجائے۔

☆......قیامت کے وقت کا تخمینہ لگانا درست نہیں۔ پرانا اسلامی ادب چودھویں صدی میں قیامت کا منتظر رہا۔ اب کوئی نام نہیں لیتا۔ اللہ نے قرآن میں فرمادیا ہے کہ یہ سانحہ اچانک ظہور میں آئے گا۔ لہٰذا اس کے بارے میں کوئی پیش گوئی نہ کی جاسکے گی۔ قیامت کے آثار اپنی جگہ ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے وقت کو ہمارے ٹائم ٹیبل سے کوئی نسبت نہیں۔ زمین پر کوئی بڑا حادثہ تو ہوسکتا ہے لیکن کائنات کا مکمل خاتمہ اللہ جانے اربوں سال بعد ہو۔

☆......ہر تنظیم نظم وضبط کے سہارے ہی چلتی ہے لیکن اس کے قواعد ہر تنظیم کے مشن اور طریقہ کار کے مطابق ہوتے ہیں۔ اس لئے جمعیت اور سلسلہ توحیدیہ کی تنظیم میں فرق ضرور رہنا چاہیے کہ ہمارا اور انکا مشن اگرچہ ایک ہی ہے لیکن طریق کار مختلف ہے۔ ان کے ہاں کڑی نگرانی اور سختی مفید ہے جبکہ ہمارے ہاں عفوو درگزر اور پیار و محبت اور نرمی درکار ہے پھر بھی "حکمت مومن کا کھویا ہوا سرمایہ ہے" کے اصول پر دوسری تنظیموں کے تجربات سے ضرور فائدہ اٹھانا چاہیے۔ ہم بنیادی طور پر اخلاق و کردار سازی اور آدم گری پر

زور دیتے ہیں تا کہ ہر رکن اللہ کا فقیر اور مخلص بندہ بن جائے۔ اگر کسی وجہ سے جماعتی یا قومی ہدف نہ بھی پورا ہو سکے پھر بھی ہر فرد اللہ کے فضل سے دنیا و آخرت میں سرخرو ہو جائے۔

☆.....سلسلہ کی دعوت کے لئے بنیادی ضروریات یہ ہیں کہ داعی کے قلب میں اللہ کے ذکر سے مطلوبہ روحانی قوت پیدا ہو جائے۔ غصہ اور نفرت نفی کر کے دل پیار کے رنگ میں رنگ جائے پھر پوری دلسوزی اور دلجمعی کے ساتھ محض اللہ کی رضا کی خاطر اس کی مخلوق کی اصلاح کی جائے۔ جس طرح آپ تار جوڑ کر اپنے مرشد سے فیض لیتے ہیں اسی طرح جس دوست کی اصلاح مقصود ہو اس کے قلب کے ساتھ تار جوڑ کر اپنے دل سے روحانی فیض اس کے دل میں منتقل کریں۔ یہ کام اس کی غیر حاضری میں غائبانہ طور پر بھی کیا جاتا ہے اسے ہی توجہ دینا کہتے ہیں۔ جب کام کریں گے تو روحانی فیض کے اثرات کا تجربہ ہوتا چلا جائے گا۔ باباجیؒ فرمایا کرتے تھے ہمارا کام تو فیض دینے کے لئے پائپ کا کنکشن لگا دینا ہے ٹونٹی تو اللہ میاں کے اپنے ہاتھ میں ہوتی ہے وہ جتنا فیض دینا چاہتے ہیں اتنا ہی جاتا ہے۔ اگر وہ نہ چاہیں تو آپ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ بلکہ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ مطلوبہ فیض طالب کے دل کی طرف منتقل ہو رہا ہے یا نہیں ہو رہا۔ اللہ چاہے تو فیض نہ جانے کی وجہ بھی دکھلا دے۔ اپنی ہمت اور ذرائع کے مطابق اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر کام کرتے چلے جانا چاہیے۔ سلسلہ توحیدیہ تو قائم ہی اسی لئے کیا گیا تھا کہ ہر بھائی اپنی اصلاح کے بعد دوسرے بھائیوں کی بھی اصلاح کرے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے بھائیوں کو اس تعلیم کی اہمیت اور اصلاح کے عظیم کام میں اس کی افادیت سے آگاہ فرمائے تا کہ اس مشن کے لئے بھرپور جدوجہد کر سکیں۔

☆.....آپ کی تعلیمی کیفیت الحمدللہ ایسی بھی نہیں ہے کہ مایوسی پیدا کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل و کرم شامل حال فرمائے رکھے اور آپ کو دنیا اور روحانیت کے اعلیٰ مراتب سے

نوازے ۔آمین! ہماری دعائیں آپ کے ساتھ رہیں گی ۔میں تو آپ کو شروع ہی سے لکھتا رہا ہوں کہ ہمارے سلسلہ میں تعلیم کا ایک خاص مقام ہے کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے مسجودِ ملائک بنایا ہے تو ساتھ ہی مسخرِ کائنات بھی بنایا ہے اور یہ کام علم و تفکر اور مشاہدے کے بغیر سرانجام نہیں دیا جاسکتا ۔دنیا کا مستقبل مغرب کی سائنسی ترقی اور ابتدائی دور کے اسلام کی متحرک روحانیت کے یکجا ہونے پر ہے ۔تمام تر علوم کی ترقی اور مادہ کی تسخیر کی غایت بھی یہی ہے کہ انسان کو عطا کی گئی صلاحیت تسخیر اپنا کامل اظہار کر سکے تاکہ اللہ کی معرفتِ تامہ حاصل کر سکے ۔حضور ﷺ کے فیضان سے صحابہ کرام کی مقدس جماعت تمام علوم کی حقیقت سے آشنا ہو کر دنیا کی امامت کے قابل ہو گئی تھی اور انہوں نے ہر میدان میں خود بھی ترقی کی اور دوسروں کی رہنمائی بھی فرمائی ۔آپ پر بھی اللہ کا بڑا کرم ہے کہ دنیوی علوم کے ساتھ ساتھ روحانی دولت بھی عطا ہوگئی ۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست

☆......انقلابات دلوں میں جنم لیتے ہیں اور دلوں کو تسخیر کر کے اہلِ فقر کی فوج تشکیل دی جاتی ہے جس سے حکومتِ الٰہیہ کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے ۔علامہ اقبالؒ مسجدِ قرطبہ کے تحت لکھتے ہیں:

کون سی وادی میں ہے کون سی منزل میں ہے
عشقِ بلا خیز کا قافلۂ سخت جاں

آہ وہ مردانِ حق ، وہ عربی شاہسوار
حاملِ خلقِ عظیم ، صاحبِ صدق و یقیں

جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمزِ غریب
سلطنت اہلِ دل فقر ہے شاہی نہیں

گناہ گار سے نفرت نہیں، اصلاح

(محمد یوسف اصلاحی)

آپ نے سنا کہ ایک شخص گناہوں میں مبتلا ہے یا خود اپنی آنکھوں سے اس کو گناہ میں مبتلا دیکھا تو بے تعلق ہو کر گزر گئے کہ جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔ دل میں نفرت اور بے زاری کی ہلکی سی خلش رہ گئی مگر جلد ہی آپ نے ذہن جھٹک دیا اور اپنے کاموں میں لگ گئے۔ بے شک وہ گناہ گار شخص اپنے کیے کی سزا پائے گا اور آپ جن اچھے کاموں میں اللہ کی رضا کیلئے لگے ہوئے ہیں ان کا بھرپور صلہ پائیں گے، لیکن غور کرنے کی بات یہ ہے کہ جس شخص کو آپ نے گناہوں کی دلدل میں پھنسا دیکھا ہے اور جن کی طرف سے بے زاری اور حقارت کا جذبہ دل میں محسوس کر رہے ہیں، کیا اس کے ساتھ آپ کا یہ روّیہ صحیح ہے کہ دل میں ہلکی سی خلش لے کر اس سے بے تعلق ہو جائیں اور بغیر کسی حق کے یہ فیصلہ کر لیں کہ جو بوئے گا، وہ کاٹے گا۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ اس معاملے میں آپ کی یہ روش اللہ تعالیٰ کو پسند نہ ہو۔

دین تو سراپا خیر خواہی کا نام ہے۔ اس گناہ گار کے ساتھ آپ نے کیا خیر خواہی کی؟ کیا اتنا کافی ہے کہ آپ اس سے بے تعلق رہیں؟ اپنا دامن بچائے رکھیں اور خود کو اس گناہ سے محفوظ رکھ کر یہ اطمینان کر لیں کہ کل اللہ تعالیٰ کے حضور آپ کہہ دیں گے کہ پروردگار میں نے اس گناہ سے تعلق نہیں رکھا اور خود کو اس کے شر سے محفوظ رکھنے کی کوشش کی، یا اس سے آگے بھی اس گناہ گار کا آپ پر کچھ حق ہے؟ وہ فاعل ہے اور آپ باشعور ہیں۔ وہ آخرت سے بے پرواہ ہے اور آپ کو آخرت کی فکر ہے۔ وہ دین سے ناواقف ہے اور آپ دینی علم رکھتے ہیں۔ اس کو صالح ماحول نہیں مل سکا ہے اور آپ صالح ماحول میں زندگی گزار رہے ہیں۔ کیا آپ پر اس کا یہ حق نہیں ہے کہ

آپ اس کو آخرت کی سخت پکڑ سے بچائیں اور گناہ کے بدترین اثرات اور ہولناک انجام سے ڈرائیں۔ کیا آپ کے نزدیک اس کا امکان نہیں ہے کہ وہ آپ کی نصیحت قبول کر لے اور توبہ کر کے خدا کی طرف لوٹ آئے۔ وہ شخص جس گناہ میں مبتلا ہے، اس سے اپنا دامن بچا کر آپ نے سمجھ لیا ہے کہ آپ اس سے محفوظ ہو گئے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اگر آپ اور آپ جیسا شعور رکھنے والے سارے لوگ یہی اندازِ فکر و عمل اپنا لیں گے تو گناہ گار بڑھتے چلے جائیں گے اور پورا معاشرہ اس کی لپیٹ میں آجائے گا۔ آپ بھی اس سے متاثر ہونگے اور آپ کی نسلیں بھی، گناہ کی قباحت دھیرے دھیرے کم ہونے لگے گی۔ گناہوں سے مصالحت اور برداشت کر لینے کی کیفیت بڑھتی چلی جائے گی اور نبی صادق و امین ﷺ کے الفاظ میں آپ گناہ بطورِ خود نہ کرنے کے باوجود گناہ کرنے والوں ہی میں شامل قرار دیے جائیں گے۔ بات کسی اور کی ہو تو آپ سنی اَن سُنی بھی کر دیتے، لیکن یہ بات تو اُن کی ہے جن کی صداقت پر آپ کا ایمان ہے اور جن کے واسطے سے ہی آپ آخرت میں نجات کا یقین رکھتے ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

جس مقام پر لوگ گناہوں میں مبتلا ہوں اور کچھ ایسے لوگ وہاں موجود ہوں جو اس گناہ کو برداشت نہ کر رہے ہوں تو وہ گویا وہاں موجود ہی نہیں ہیں، اور جو لوگ ان گناہوں پر مطمئن ہوں اور ان کو برداشت کر رہے ہوں، وہ اگر موقع پر موجود نہ بھی ہوں تو بھی وہ گویا ان لوگوں میں موجود ہیں۔''

حدیث کے اس صاف شفاف آئینے میں اپنے عمل و کردار کا چہرہ دیکھئے اور خود ہی فیصلہ کیجئے کہ آپ جو روّیہ اختیار کر رہے ہیں، وہ کس حد تک صحیح ہے اور حقیقت میں صحیح روّیہ آپ کیلئے کیا ہے؟ صحیح روّیہ صرف یہ ہے کہ آپ گناہ گاروں کے گناہ پر کڑھیں اور اس کُڑھن سے بے چین ہو کر ان بھٹکے ہوئے بندوں کو انجامِ بد سے ڈرائیں۔ گناہ کے اثراتِ بد سے بچائیں اور اپنے معاشرے کو گناہوں سے پاک رکھنے کی ہر ممکن کوشش کریں۔

گناہ آپ کی بستی میں ہو رہا ہو، یا محلے میں یا آپ کا کوئی پڑوسی اس میں مبتلا ہو، بہر حال

آپ کی یہ اخلاقی اور دینی ذمہ داری ہے کہ آپ اسے روکیں اور گناہ گار کے خیر خواہ بن کر اس کو گناہ سے بچانے کی فکر کریں اور ہرگز خود کو اس سے بے تعلق رکھ کر یہ نہ سمجھیں کہ آپ کل اللہ کے حضور پکڑے نہ جائیں گے۔ آپ کا پڑوسی کل خدا کے حضور میدانِ حشر میں آپ پر خیانت کا الزام لگائے گا اور آپ کے اس روّیے پر ربّ سے فریاد کرے گا۔ امام حنبلؒ نے ایک روایت نقل کی ہے:

قیامت کے روز ایک شخص اپنے پڑوسی کا دامن پکڑ کر یہ فریاد کرے گا: اے میرے ربّ! اس نے میرے ساتھ خیانت کی ہے۔ وہ جواب دے گا: پروردگار! میں تیری عزت کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے اس کے اہل وعیال اور مال میں کوئی خیانت نہیں کی ہے۔ فریادی کہے گا۔ پروردگار! یہ بات تو یہ سچ کہتا ہے لیکن اس نے خیانت یہ کی کہ اس نے مجھے گناہ کرتے دیکھا لیکن کبھی مجھے گناہ سے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ (مسند احمد)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو دین کا شعور اور حلال وحرام کی تمیز دے کر اس ذمہ داری کے مقام پر کھڑا کیا ہے کہ آپ ربّ کی نافرمانی کو برداشت نہ کریں۔ لوگوں کو معصیت اور منکرات سے روکیں اور بھلائیوں کی ترغیب دیں، دل سوزی کے ساتھ شیریں گفتاری کے ساتھ اور حکمت کے ساتھ اور اس کوشش میں اپنے اثرات بھی استعمال کریں۔ اگر آپ نے اپنی ذمہ داری ادا نہ کی تو گویا آپ نے خیانت کی اور آپ کا پڑوسی کل حشر کے میدان میں آپ سے اسی خیانت کا الزام لگائے گا چاہے وہ آپ کے محلے کا پڑوسی ہو یا آپ کی بستی کا۔

ایک پہلو اور بھی قابلِ غور ہے کہ جب عام لوگ گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور شعور رکھنے والے صرف اپنی ذات اور اپنے گھر کی فکر میں لگے رہتے ہیں اور مبتلائے گناہ لوگوں سے کوئی سروکار نہیں رکھتے، بلکہ اس سوچ سے خود کو مطمئن کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں کہ جیسا کریں گے ویسا بھریں گے اور ان کے گناہوں کو برداشت کرنے لگتے ہیں، تو یہ گناہ اور ربّ کی نافرمانیاں بڑھنے لگتی ہیں اور دھیرے دھیرے پورے سماج اور بستی کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہیں

اور اب تو ذرائع ابلاغ کی مدد سے پورے پورے ملک اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کی جانب سے عذاب کا فیصلہ ہوتا ہے اور اس سے پہلے کہ ان لوگوں کو موت آئے یہ سب لوگ اللہ کے عذاب میں مبتلا کر دیے جاتے ہیں۔ وہ لوگ بھی جو گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں اور وہ لوگ بھی جو گناہوں سے دور رہتے ہیں۔ حضورﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

جن لوگوں کے درمیان بھی کوئی شخص گناہ کے کام کر رہا ہو اور وہ لوگ اس کو روک سکتے ہوں پھر بھی نہ روکیں، تو اس سے پہلے کہ یہ لوگ مریں سب کے سب اللہ کے عذاب میں گرفتار ہوں گے۔ (ابو داؤد)

دراصل اللہ تعالیٰ نے مومن کا وصف ہی یہ بتایا ہے کہ وہ منکرات کو گوارا نہیں کرتا، بلکہ اس کو روکنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ ربِّ کریم سے وفاداری کا تقاضا ہی یہ ہے کہ وہ زمین پر ربّ کی نافرمانی کو برداشت نہ کرے اور ربّ کی فرمانبرداری اور بھلائی کے پرچار پر لوگوں کو ہر ممکن ذریعے سے آمادہ کرے۔ اپنی انفرادی زندگی میں بھی اور اپنی اجتماعی زندگی میں بھی۔ صحابہ کرامؓ کا دورِ سعادت اس کی بہترین اور قابلِ تقلید مثال ہے۔ صحابہ کرامؓ جو قرآن پاک میں قطعی طور پر خیرِ اُمت کے لقب سے یاد کیے گئے ہیں، اسی بنیاد پر ان کو اس لقب سے نوازا گیا کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے تھے اور اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان رکھتے تھے۔

انفرادی طور پر بھی صحابہ کرامؓ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے سے کبھی غافل نہیں ہوئے۔ ہر ہر موقع پر نیکی اور اصلاح کے حریص رہتے تھے اور اس معاملے میں اپنا فرض اور دوسروں کا حق ادا کرنے کیلئے ہمہ وقت مستعد رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی کوششوں کو بار آور بھی کیا اور انہوں نے اپنی مخلصانہ کوششوں کے نیک نتائج سے اپنی آنکھیں بھی ٹھنڈی کیں۔

حضرت عمرؓ کے پاس شام کا رہنے والا ایک شخص اکثر آیا کرتا تھا۔ پھر ایسا ہوا کہ بہت دن گزر گئے اور وہ نہیں آیا۔ حضرت عمرؓ کو اس کی یاد آئی، لوگوں سے اس کے بارے میں

معلومات کیں تو معلوم ہوا کہ وہ کچھ بُرے کاموں میں پڑ گیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے کاتب کو بلایا اور اس کو ایک خط لکھوایا:

یہ خط ہے عمرؓ بن الخطاب کی طرف سے .... فلاں ابن فلاں شامی کے نام۔۔

''تمہارے اس اللہ کی حمد و تعریف کرتا ہوں، جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو گناہوں کے بخشنے والا، توبہ قبول کرنے والا، سخت سزا دینے والا زبردست احسان کرنے والا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، سب کو اسی کی طرف پلٹنا ہے۔

یہ خط لکھوا کر امیر المومنین نے اس شامی شخص کی طرف روانہ فرمایا اور اپنے پاس کے ساتھیوں سے کہا کہ تم سب لوگ اس شخص کیلئے ربّ سے دُعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل کو پھیر دے اور اس کی توبہ قبول فرمائے۔ ادھر اس شامی خطا کار کو جب امیر المومنین کا خط ملا تو اس نے اس کو بار بار پڑھا، اور یہ کہنا شروع کیا کہ میرے ربّ نے مجھے اپنی پکڑ اور اپنے عذاب سے ڈرایا بھی ہے اور اپنی رحمت کی اُمید دلا کر مجھ سے گناہوں کی بخشش کا وعدہ بھی کیا ہے۔ اس نے یہ خط کئی بار پڑھا، رویا اور اللہ تعالیٰ سے توبہ کی اور ایسی سچی توبہ کی کہ اللہ نے اس کی زندگی بدل دی۔

حضرت عمرؓ کو جب اس واقعے کی اطلاع ملی تو آپؓ انتہائی خوش ہوئے اور لوگوں سے کہا کہ جب تم اپنے مسلمان بھائی کو دیکھو کہ وہ بھٹک گیا ہے تو اس کو چھوڑ نہ دو، بلکہ اس کو سیدھا کرنے کی کوشش کرو۔ نیک اعمال میں توبہ اللہ کو سب سے زیادہ پسند ہے اور آپ کے ذریعے کسی کو اگر توبہ کی توفیق ہو جائے تو یہ آپ کی سب سے بڑی سعادت اور اللہ کی نظر میں سب سے بڑی نیکی ہے۔

میلادِ سرورِ دو عالم ﷺ

(چوہدری محمد حسین)

نبی پاک ﷺ کے اہم منصبی فرض Duty پر آپ ﷺ کی حدیث پاک ''بعثت لاتمم مکارم الاخلاق '' کی روشنی میں اظہار خیال کی ادنیٰ سی کوشش کی تھی۔اب زیرِ نظر مضمون کے اس حصہ میں دوسری اہم ذمہ داری قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیہ مبارکہ کے پیش نظر طبع آزمائی کی کوشش کی جاتی ہے

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ

''وہی اللہ ہے جس نے اپنا رسول ﷺ ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے باقی سب دین پر غالب کر دے۔چاہے مشرک جلتے اور کڑھتے رہیں''

متذکرہ حدیث پاک کی طرح یہ آیت کریمہ بھی اپنے اسلوب بیان میں یکتا ہی معلوم ہوتی ہے۔قرآن پاک میں آپ ﷺ کے بہت سے فرائض نبوی کا ذکر ہے مگر اس طرح کہیں نہیں لکھا کہ آپ ﷺ کو اس لیے بھیجا ہے تا کہ یہ کام سرانجام دے دیں۔مثلاً سورۃ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے فرائض کا ذکر فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں پر بڑا احسان ہے کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیات پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ انہیں کتاب اور حکمت سکھا دے۔لہٰذا دونوں

آیت کے اسلوب بیاں میں فرق ظاہر ہے۔پہلی آیہ مبارکہ اپنے اسلوب بیاں سے عیاں کرتی ہے کہ سب سے اہم اور سب فرائض پرفوقیت رکھنے والا فرض دین اسلام کو باقی سارے دین پر غالب کرنا ہی ہے۔کافر بے شک جلتے بھنتے رہیں۔اس آیہ مبارکہ اور پہلی قسط میں بیان شدہ حدیث مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ دین اسلام کا مدعا ومقصد صرف اخلاق حسنہ کی تکمیل (جو کہ بنیاد ہے)اور اس کی حفاظت کے لیے آئین وقوانین خداوندی کا غلبہ ہی ہے۔باقی تمام اسلامی شقیں محولہ بالا دونوں ارکین کے قیام کے لیے کسی درجے میں معاون ومددگار ہیں۔یہ دونوں ارکین (اخلاق وغلبہ) نہ ہوں تو سمجھو کہ دین اسلام کا وجود او رعدم وجود برابر ہے۔اور برائے نام ہے۔اس کے حامی حیوانات سے بھی بدتر زندگی گزارتے ہیں(اللہ تعالی کی پناہ اس بے غیرتی سے)مسلمان کی زندگی کا مقصد اللہ تعالی کے دین کی سرفرازی (تھوڑا سا تصرف کے ساتھ)

مسلماں اسی لیے مسلماں اسی لیے نمازی۔

اللہ تعالی کی طرف سے وعدے کے مطابق آدم علیہ السلام کے زمین پر آنے کے ساتھ ہی دینی ہدایات کا نزول بقدر ضرورت شروع ہو گیا تھا جس کے مطابق انبیاءؑ ومرسلینؑ عوام کوتلقین کرتے رہے۔کوئی بھی آباد خطہ زمین ایسا نہیں ہے جہاں ہادی برحق نہ آئے ہوں۔پیر کرم شاہ صاحبؒ بھیروی نے اپنی بے مثال تالیف ضیاء النبیﷺ کی پہلی جلد کے پہلے حصے میں مختلف مذاہب کا ذکر کیا ہے اور ربانی اور پہلی تعلیم کا کھوج ایک مسلم سکالر او رسیاح ابو ریحان البیرونی کی مشہور کتاب ''تحقیق ماالالہند'' کے مطالعہ سے لگایا ہے۔آپ نے زرتشتیوں،ہندوؤں اور دیگر مذاہب کی پرانی کتابوں کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ان مذہبوں کے بانی خالص توحید پرست تھے اور توحید ہی کا پرچار کرتے تھے۔دوسرے الہامی مذہبوں یہودیت،نصرانیت اور عرب مشرکین (جو پہلے خالص دین ابراہیمؑ کے پیروکار تھے) کی طرح بعد میں بت اور مظاہر پرستی میں مبتلا ہو گئے

اوراصل مذہب کے بخیے ادھیڑ کرر کھ دیے ۔مگر پھر بھی کوئی نہ کوئی حکمت وبصیرت پرمبنی سچے موتی مل جاتے ہیں ۔اسی لیے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''حکمت مومن کی گم شدہ متاع وراثت ہے جہاں سے ملے لے لو۔مقصد ان حوالوں کے بیان کرنے کا یہ ہے کہ مذہب (اخلاق وعمل)اور حکومت (انتظامی پہلو) کا لازم وملزوم ہونا کوئی نیا نظریہ نہیں ، پرانے وقتوں میں بھی بصیرت و فراست کے حامل لوگوں کا یہی نظریہ تھا۔مشرقی اور مغربی مؤرخوں کے نزدیک ساسانی خاندان کا بانی اردشیر بہت ہی زیرک ،عادل اور رعایاپرور بادشاہ تھا۔اس کا ایک مقولہ بڑا مشہور ہے جو اس نے مرتے وقت اپنے بیٹے کو بطور وصیت کیا۔

''اے میرے بیٹے دین اور ملک دونوں بھائی ہیں ۔ان میں سے کوئی بھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوسکتا ہے۔ دین ریاست یا معاشرہ کی بنیاد ہےاور حکومت دین کی نگہبان ہے جس چیز کی بنیاد نہیں ہوتی وہ گر جاتی ہے اور جس چیز کا کوئی نگہبان نہیں ہوتا وہ ضائع ہو جاتی ہے'' ایک مغربی تاریخ دان سر پرسی نے اس وصیت (نصیحت) میں ایک جملہ لکھا ہے جو ذیل میں درج ہے۔

ترجمہ:''مذہب کے بغیر حکمران ایک جابر اور ظالم حکمران ہے''

ظاہر ہے کہ نگرانی طاقت کے بغیر نہیں ہوسکتی اور حکومت یعنی قوت نافذہ ہوتی ہے ۔

مندرجہ بالا جملے کا نچوڑ یہ ہے کہ اصل طاقت انصاف میں ہے ۔کہتے ہیں کہ جنگ عظیم دوم میں ہٹلر نے فرانس کو تباہ کرنے کے بعد برطانیہ پر دباؤ بڑھا دیا اور ہوائی حملوں سے آبادی کو تہس نہس کرنا شروع کردیا۔آبادی میں خوف وہراس اتنا پھیل گیا کہ ہر طرف افراتفری کا عالم تھا عوام مایوس تھے انکو اپنی شکست یقینی محسوس ہوتی تھی تو قوم نے اپنے منتخب وزیراعظم کی جگہ چرچل کو وزیراعظم بنادیا جو جنگی چالوں کا ماہر تھا۔اس نے اپنے بیانات اور جلسوں میں تقاریر سے قوم کو

مایوسی کی حالت سے نکالا ۔ایک جلسہ میں وہ تقریر کر رہا تھا لوگوں کی نفسیات دیکھ سمجھ کر اس نے لوگوں سے پوچھا کہ کیا ہماری عدالتیں کام کرتی ہیں ۔لوگوں نے جواب دیا کہ ہاں کرتی ہیں ۔ اس نے پھر پوچھا کہ کیا ہمارے جج صاحبان انصاف کرتے ہیں ۔پھر جواب ملا کہ ہاں ۔تو چرچل نے اپنے ہاتھ کی دو انگلیوں سے (وی) کا نشان بنا کر ہاتھ بلند کیا اور کہا کہ اگر ہماری عدالتوں میں انصاف ہوتا ہے تو مایوسی کی کوئی بات نہیں فتح ہماری ہوگی ۔اس وقت سے ہر کوئی ایرا غیرا جیل جاتے وقت خواہ چوری کے جرم میں جیل جا رہا ہو بڑے ڈھیٹ پن سے (وی) کا نشان بناتا ہے ۔بے غیرتی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے ۔

اسلام کی تو بنیاد ہی عدل پر ہے اور پاکستان اسلام کے نام پر بنا تھا لیکن اسلام اور عدل کا پاکستان میں فقدان ہے ۔حکومت اگر صرف عدل کے شعبے ہی کو مستحکم کر دے تو پاکستان چند سالوں میں دنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں شامل ہو جائے گا اور انشاء اللہ مسلم امہ کی نشاۃ ثانیہ کا راستہ ہموار ہو جائے گا ۔مگر شرط وہی متذکرہ دونوں ارکان کا قیام ہے ۔

ظاہر ہے کہ حکومت کو عدل کے قیام کے لیے کچھ سختی کی بھی ضرورت ہوتی ہے لیکن مزکی افراد پر مشتمل حکومت کی تلخی میں نفرت نہیں بلکہ محبت اور حکمت ہوتی ہے

نہ ہو جلال تو حسن جمال بے تاثیر ترا نفس ہے اگر نغمہ نہ ہو آتشناک
دلبری بے قاہری جادو گری است دلبری با قاہری پیغمبری است
قوت بے فکر جہل است و جنوں فکر بے قوت ہمہ مکرو فسوں
وہ نبوت ہے مسلماں کے لیے برگ حشیش جس میں نہ ہو قوت وشوکت کا پیغام
بے معرکہ جینے کی کر سکتی ہے تلافی اے پیر حرم تیری مناجات سحر کیا ؟
رشی کے فاقوں سے نہ ٹوٹا برہمن کا طلسم عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد

روایت ہے کہ قیس بن عبداللہ جو نابغہ الجعدی کے عرف سے معروف ہیں نے نبی رحمتﷺ کی شان میں ایک قصیدہ لکھا جو آپﷺ کو پڑھ کر سنا رہے تھے۔مندرجہ ذیل دو اشعار آپ سرکارﷺ کو بہت پسند آئے۔آپﷺ نے سن کر قیسؓ کو دعا دی۔ترجمہ(اللہ تیرے منہ کو سلامت رکھے)ان اشعار کا ترجمہ ہے۔

اس حلم میں کوئی بھلائی نہیں جب تک اس میں غصہ کی امیزش نہ ہو،تا کہ وہ اپنے صاف تالاب کو اسے گدلا کرنے والوں سے بچا سکے۔

ایسی خصلت غضب میں کوئی بھلائی نہیں جب تک اس میں حلم نہ ہو جو اسے اس چیز سے نکال سکے جس میں وہ داخل ہوا ہے۔

مطلب یہ کہ نیکی یا حسن اخلاق کی ترویج کے لیے نرمی کے ساتھ تھوڑی تھوڑی سختی کی بھی ضرورت ہے یعنی مرہم کے ساتھ ساتھ جراحت بھی لازمی ہے۔لہذا تحمل مزاجی، بردباری و صبر و حلم، برداشت،عفو و درگزر، عاجزی،انکساری میں آہنی عزم اور فولاد کی سی چمک اور سختی کا ہونا ضروری ہے۔انہی محبت ونرمی بھری سختی پر مبنی اخلاق و خصائل کے پیش نظر کسی وقت ماضی قریب میں مسٹر برناڈ شاہ نے ایک بڑی سچی بات کہی تھی کہ اگر محمدﷺ اس وقت دنیا کے ڈکٹیٹر ہوتے تو ساری دنیا میں امن قائم ہو جاتا (یہ غالباً جنگ عظیم دوم کے عروج کا زمانہ تھا)۔کتنی کھری بات ہے جو ایک مخالف قوم کے فرد کے منہ سے نکلی۔وہ یہ بھی کہہ سکتا تھا کہ محمدﷺ کے پیش کردہ اصول وقوانین کو راست بازی سے مان لیا جائے تو دنیا جنت نظیر بن سکتی ہے۔مگر آپﷺ کے مرتب کردہ اصولوں کو صرف مان لینے سے وہ بات نہیں بنتی۔گو اسلام سے بہتر کوئی لائحہ عمل نہیں،اس کے ماننے والوں کی بھی کوئی کمی نہیں پچاس سے اوپر اسلامی ممالک ہیں۔سب ان اصولوں کو مانتے ہیں مگر ان سب برائے نام اسلامی ممالک کی حالت زار سامنے ہے۔بہتر سے بہتر نظام بھی

کمزور اخلاقیات وسیرت کے حامل لوگوں سے کامیابی کے ساتھ نہیں چلایا جا سکتا۔ مثالیں ہم سب کے سامنے ہیں۔ اس فول پروف نظام کے چلانے کے لیے صدق صدیق وسلمانؓ وعدل فاروقی وحیدرؓ فقر بوذر وسعید کی ضرورت ہے۔

لہٰذا اجتماعی اصلاح کے لیے پہلے فرداً فرداً افراد کے تزکیہ نفس کی ضرورت ہے جو ہر قدم اللہ کی رضا کے لیے اٹھائیں اور اس کے لیے ہر قربانی کی خاطر بلا تامل بخوشی تیار رہیں۔ جب تک پہلے یہ دو کام یعنی افراد کا تزکیہ نفس اور رمزگی افراد کے ہاتھ امت کا امر یعنی قوت نافذہ نہ دیا جائے اس وقت تک مسلم امہ کی حالت نہیں سدھر سکتی اس کے لیے امت مرحومہ کے افراد کو کوشش کرنا ہوگی عمل کرنا ہوگا کیونکہ ''معرکہ جینے کی کر سکتی ہے تلافی، اے پیرحرم تری مناجات کیا؟''

صرف اخلاق کی درستگی سے کام نہیں بنے گا جب تک دوسرا قدم (یعنی غلبہ دین) نہیں اٹھایا جائے گا اور امت کا امر مخلص مسلمان گروہ کے سپرد نہیں ہوگا۔ جو حکومت کی کل کو خلافت راشدہ کی طرز پر قائم کر کے ایک صالح معاشرہ کا قیام استوار کر دے۔ اس کے لیے تزکیہ کے ساتھ دوسرے عمل کی بھی ضرورت ہے صرف آہ سحر گاہی کی مناجات ہی کافی نہیں۔

صرف رو لینے سے قوموں کے پھرتے نہیں دن خونفشانی بھی ہے لازم اشک فشانی کے ساتھ

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو سیدھے راستے کی طرف ہدایت فرمائے اور صحیح مومن قیادت نصیب فرمائے جس کا کردار ذیل اشعار کے مترادف ہو۔

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

عقل بمقابلہ عشق

(عبدالرشید ساہی)

شعر نمبر ا:

خرد نے مجھ کو عطا کی نظر حکیمانہ سکھائی عشق نے مجھ کو حدیث رندانہ

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں انسان عقل اور عشق دو قوتوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ عقل انسان کو حکمت و دانائی عطا کرتی ہے لیکن عشق اس میں مستی کا رنگ پیدا کرتا ہے۔ عقل منزل کی طرف رستہ کے سلسلے میں رہنمائی تو کرتی ہے لیکن اکثر منزل سے دور ہی ساتھ چھوڑ جاتی ہے۔ جبکہ عشق منزل تک رسائی کا ذریعہ ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اپنی شاعری میں کہیں بھی عقل کو مختار کل نہیں مانا لیکن عشق کو تسلیم ضرور کیا ہے۔

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں

جس طرح واقعہ معراج شریف عشق ہی کی بدولت وقوع پذیر ہوا اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کا آتش نمرود میں کود جانا بھی اپنے رب کے ساتھ بے انتہا عشق ہی کی بدولت ہوا۔ اسی طرح واقعہ کربلا اور معرکہ بدر و حنین بھی عشق کی بے مثال داستانیں ہیں۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق عقل ہے محو تماشہ لب بام ابھی

صدق خلیل بھی ہے عشق، صبر حسین بھی ہے عشق
معرکہ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

عقل نے میدان زندگی کی اکثر بازیاں ہار دی ہیں لیکن عشق نے آج تک ایک بھی

بازی نہیں ہاری۔عشق مردمیدان ہےاور زندگی کی کامیابی و کامرانی کی نشانی ہے۔

شعر نمبر۲:

نہ بادہ ہے، نہ صراحی، نہ دورِ پیمانہ فقط نگاہ سے رنگین ہے بزم جاناں

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں عشق کی مستی کی نوعیت شراب کی مستی سے بہت مختلف ہوتی ہے اس کے لیے شراب، صراحی اور جام کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہاں صرف مرشد کی نگاہ مست کر دینے کے لیے کافی ہوتی ہے۔نگاہ مرشد کا فیض اتنی بڑی حقیقت ہے کہ میں اس کو بیان کرنے پر فخر محسوس کر رہا ہوں۔ یہ ایک راز ہے اور اس راز کو فاش کرنے کے لیے یقین کامل شرط ہے۔ علامہ فرماتے ہیں

فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا نہ ہو نگاہ میں شوخی تو دلبری کیا ہے

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

نگاہ مرشد کا میں نے عملی مشاہدہ کیا ہے اور اس کی تاثیر کو محسوس کیا ہے۔ میں تقریباً 30 سال کا عرصہ تلاش مرشد میں سرگرداں رہا لیکن یہ ظالم دل کہیں نہ مانا۔دراصل یہ بڑے اعلیٰ مقدر اور بلند نصیب کی بات ہوتی ہے کہ کسی کو مرد مومن کی سنگت نصیب ہو جائے۔میرے دوست اکثر مجھ سے سوال کرتے تھے کہ رشید ساہی تمہیں کس قسم کے مرشد کی تلاش ہے تو میں ان کو علامہ اقبالؒ کا یہ شعر سنا دیا کرتا تھا۔

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

جو ہو ذوق یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

پھر کیا ہوا آخر بے قرار دل کو قرار آ ہی گیا۔مجھ پر میرے ایک بہت ہی پیارے اور عظیم دوست مرحوم شفیق خان کی بدولت اللہ تعالیٰ کا کرم ہوا اور میری ملاقات پیرومرشد محمد صدیق ڈارؒ سے ہو گئی۔دراصل یہ کہانی سنانے کو بڑی مدت سے میں بے چین تھا مگر محض اس لیے تحریر نہیں کرتا تھا کہ

بعض لوگ جن کے دلوں میں اللہ والوں کے لیے بغض اور کینہ بھرا ہوتا ہے ایسی باتوں کو پیرو مرشد کی مدح میں غلو گوئی شمار کرتے ہیں۔ دراصل دل کی بات زبان پر آ ہی جاتی ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

تھا ضبط بہت مشکل اس سیل معانی کا کہہ ڈالے قلندر نے اسرار کتاب آخر

دراصل مجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کرم نازل ہو رہا تھا اور مدینہ منورہ سے میرے لیے سفارش ہو رہی تھی کہ مجھے میرے مرشد کامل مل گئے پھر کیا تھا۔

نکلے جو مے خانے سے، دنیا بدل گئی۔

میری زندگی کا سارے کا سارا معاملہ بدل گیا اور آخر ایک روز پیرو مرشد نے فرمایا ساہی دراصل وہی ہوگا جو ہر ساہ (سانس) کے ساتھ اللہ اللہ کرے گا۔ میری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ میری زندگی مرشد کی محبت اور صحبت میں بسر ہو جائے۔ میں ذاتی طور پر مرحوم شفیق خان صاحب کے لیے ساری زندگی دعا گو رہوں گا اور ان کے اہل خانہ کے لیے بھی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم دوست کو جنت کے بلند ترین مقام عطا فرمائے اور ان کے اہل خانہ پر اپنی تمام تر عنایات کی تکمیل فرمائے۔ آمین۔ موسم خوشگوار ہے اور موڈ بھی خوشگوار ہے یہاں آپ کو میں میاں محمد بخشؒ کا ایک شعر سنا دیتا ہوں۔

اصلاں تے جے نیکی کریے عمراں نیں بھلاندے
بے اصلاں تے نیکی کریے کوڑی مل نیں پاندے

معذرت چاہتا ہوں جو اپنے عنوان سے دور نکل گیا ہوں۔ ایک کیفیت تھی جو بیان کر دی۔

شعر نمبر۳:

مری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ کہ میں ہوں محرم راز درون مے خانہ

علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ میری شاعری دراصل میری نوائے پریشاں ہے،

شاعری نہیں ہے۔میں نے تو اسلام کے حقائق و معارف شاعری کے لبادہ میں بیان کیے ہیں۔ اس لیے میرے کلام کو تفریح طبع کے لیے نہ پڑھ بلکہ اس پیغام کو سمجھ جسے میں نے اشعار کی صورت میں پیش کیا ہے۔میں نے قرآن پاک کی تفسیر پیش کی ہے۔عالم اسلام کے لیے جو درد میرے دل میں تھا اس کا اظہار کیا ہے۔میں نے مسلمانان عالم کی امراض کا علاج پیش کیا ہے۔جو مصائب اور آفات امت مسلمہ پر آنے والی ہیں ان کے سدباب کے لیے مشورہ پیش کیا ہے۔فرنگی تہذیب کو اپنانے سے جو نقصانات مجھے نظر آرہے ہیں ان سے بچنے کی تجویز پیش کی ہے۔

پسند آگئی ہے جہاں کو قلندری میری   وگرنہ شعر مرا کیا ہے؟ شاعری کیا ہے؟

علامہ اقبالؒ نے اپنی شاعری میں حق بات بیان فرمائی ہے۔یہی وجہ ہے کہ آج کے گئے گزرے دور میں بھی اگر کسی شاعر کا کثرت سے کلام پڑھا جاتا ہے تو علامہ اقبالؒ کا کلام ہی پڑھا جاتا ہے۔دراصل علامہ اقبال جس دور میں پیدا ہوئے اس دور میں عالم اسلام پر بڑی ذلت کے دن تھے۔حالانکہ امت مسلمہ کی تاریخ جانبازی، بہادری، ثروت، عظمت، وقار اور خودداری سے مزین ہے

شعر نمبر ۴:

کلی کو دیکھ، کہ ہے تشنۂ نسیم سحر   اسی میں ہے میرے دل کا تمام افسانہ

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں جس طرح غنچہ کی شگفتگی قانون قدرت کے مطابق ایک خارجی شے پر منحصر ہے جسے نسیم سحر کہتے ہیں۔اسی طرح انسان کے دل کی روحانی ترقی اس کی ذاتی کاوش کے علاوہ اس چیز پر موقوف ہے جو خارج سے اس پر نازل ہوتی ہے یعنی فیضان الٰہی کی نسیم۔ اس لیے انسان کا فرض ہے کہ وہ آخر شب میں بیدار ہو کر اللہ کے سامنے دست بستہ کھڑا ہوتا کہ اللہ کا فضل و کرم نسیم صبح کے رنگ میں اس پر نازل ہو۔دراصل عالم مادیت اور عالم روحانیت دونوں میں ایک ہی طرح کا قانون کارفرما ہے۔جس طرح غنچہ شبنم نسیم سحر کا محتاج ہے اسی طرح انسانی دل شیخ کی توجہ اور اللہ کے فضل و کرم کا محتاج ہے۔اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسانی دل بنایا ہی

ایسا ہے جو مادی فراوانی سے سکون نہیں پاتا بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے سکون پاتا ہے اور جتنا یہ زیادہ ذکر کرتا چلا جاتا ہے اتنا ہی شگفتہ ہوجاتا ہے۔ایک روز ہمارے مرشد بھی فرمارہے تھے کہ جتنا زیادہ گرم ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ نرم ہوتا ہے علامہ فرماتے ہیں۔

نگاہ بلند سخن دل نواز، جاں پرسوز یہی ہے رختِ سفر میر کارواں کے لیے

میرے مشاہدے میں یہ بات آئی ہے کہ بعض فقیر ملنے کے لیے آنے والوں کو غلیظ قسم کی گالیاں دیتے ہیں اور لوگوں کے خیال میں یہ بات ہوتی ہے کہ بابا جی بڑے جلالی ہیں حالانکہ جلال تو اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے جو انسانوں کو زیب نہیں دیتی۔ نبی مکرمﷺ کی حیات مبارکہ روزِ روشن کی طرح آپ کے سامنے ہے۔آپﷺ نے تمام عمر جلالیت کو قریب بھی نہیں آنے دیا۔ساری عمر سراپا اخلاص اور اخلاق ہی رہے اور پھر حدیث مبارکہ ہے کہ قیامت کے روز مومن کے نامہ اعمال میں سب سے وزنی چیز اخلاق ہوگا" علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

شعر نمبر ۵:

کوئی بتائے مجھے یہ غیاب ہے کہ حضور سب آشنا ہیں یہاں اک میں ہوں بیگانہ

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں لوگ اپنی غلط فہمی و غلط بینی کی بنا پر دوسروں کو اپنا آشنا سمجھتے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں بیگانہ ہے۔کیونکہ دنیا اور اس کی متعلقہ اشیا مادی ہیں اور انسان اپنی اصل کے لحاظ سے غیر مادی ہے اس لیے دنیا کے ساتھ اس کی یگانگت پیدا نہیں ہوسکتی۔دنیا کی اصل مادی ہے اور انسان کی اصل روحانی ہے اس لیے انسان کا اصل یہ مکان نہیں بلکہ لامکاں ہے۔علامہ فرماتے ہیں

یہ پورب یہ پچھم چکوروں کی دنیا مرا نیلگوں آسماں بیکرانہ
پرندوں کی دنیا کا درویش ہوں میں کہ شاہیں بناتا نہیں آشیانہ

دنیا کی لذات میں کھو کر انسان اپنے رب سے دور ہو جاتا ہے اور بھول جاتا ہے کہ میں نے آخر اپنے رب کے پاس جانا ہے اور حساب و کتاب چکانا ہے۔ اس کی عبرت کے لیے زمین پر قبرستانوں کی موجودگی ہی کافی ہے۔

شعر نمبر ۶

فرنگ میں کوئی دن اور بھی ٹھہر جاؤں
میرے جنوں کو سنبھالے اگر یہ ویرانہ

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں یورپ میں علم و ہنر کی بہت روشنی ہے اور ہر قسم کی دلفریبیاں موجود ہیں۔ لیکن میں جو پائے حقیقت ہوں، میں اپنا رشتہ اللہ سے استوار کر چکا ہوں اس لیے میری نظر میں اس خطہ کی لادین تہذیب کی کوئی قدر و منزلت نہیں ہے۔ یہ ملک تو صرف ان لوگوں کے لیے پرکشش ہو سکتا ہے جو عیش و عشرت کو اپنا مقصد حیات جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید سورۃ المائدہ میں صاف ارشاد فرمایا کہ ''خبردار یہود و نصاریٰ کے جال میں پھنس کر اللہ کے دین قیم کی رسی نہ چھوڑ دینا'' آج بھی گم کردہ راہ لوگ متاع ایمان لٹانے کے لیے اپنی تمام تر توانائیاں صرف کر رہے ہیں۔ روپیہ پانی کی طرح بہا رہے ہیں۔ فتنوں اور سازشوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سیلاب اسلامی اقدار کو بہا لے جانے کیلئے بڑھتا چلا آ رہا ہے۔ کاش ہم قرآن کی اس تنبیہ پر کان دھریں اور ہوشیار ہو جائیں۔ چور نہیں بلکہ وہ مالک قابل ملامت ہے جو اپنے قیمتی اثاثہ کی حفاظت نہیں کرتا۔ یہ دنیا جس کی رعنائیوں میں ہم کھو کر رہ گئے ہیں یہ ہماری عارضی قیام گاہ ہے۔ ہمیں ایک دن یہاں سے رخت سفر باندھنا ہے اور اپنے علیم و خبیر رب کی عدالت میں پیش ہونا ہے۔ آج تو ہم اپنی بدعملی اور گمراہی پر طرح طرح کے خوبصورت پردے ڈال کر لوگوں کی آنکھوں میں خاک ڈال سکتے ہیں لیکن اس روز کیا کریں گے جب سب پردے اٹھا دیے جائیں گے، حقیقت بے نقاب کر دی جائے گی۔ ہمیں چاہیے کہ اس دن کا تصور کر کے اپنے

باقی ایام زندگی کی اصلاح کرلیں ۔بڑے افسوس کا مقام ہے جن کی ہدایت کے لیے ایسے مکرم و محتشم رسول ﷺ مبعوث کیے جائیں ،قرآن جیسی روشن اور مدلل کتاب نازل کی جائے اور پھر ہر لمحہ ان کو اسلام کی حقانیت کے معجزات کا مشاہدہ کرایا جائے اور ان کی اصلاح کی انتہائی کوشش کی جائے لیکن وہ قوم پھر بھی پستی سے نکل کر بلندی کی طرف ،گمراہی سے ہدایت کی طرف ،باطل سے حق کی طرف ،ناکامی سے کامیابی کی طرف ،بے ایمانی سے ایمان کی طرف ،شکست و ریخت سے کامیابی و کامرانی اور تعمیر و ترقی کی طرف ،بے حیائی سے حیا کی طرف ،ذلالت سے خودداری کی طرف اور سستی سے جدوجہد کی طرف آنے سے انکار کرتی رہے تو اس سے بڑی بدبختی کیا ہو سکتی ہے ۔جیسا کہ آج ہو رہا ہے ۔ساری قوم فرنگی تہذیب کو اپنانے کے لیے اندھی ہو رہی ہے ۔سب سے بڑا ستم یہ ہے کہ حکمران اسلامی ریاستوں کا کلچر ختم کر کے ان کو فرنگی ریاستیں بنانے پر تلے ہوئے ہیں ۔سارے رسم و رواج اور قوانین امریکہ ،برطانیہ اور بھارت سے درآمد کیے جا رہے ہیں ۔قوم کی غیرت کو ختم کیا جا رہا ہے ۔بے حیائی ،عریانی ،فحاشی اور عیاشی کو فروغ دیا جا رہا ہے ۔قوم کے وقار اور خودداری کو نیلام کیا جا رہا ہے ۔ڈالروں کی چمک میں دین فروخت ہو رہا ہے عقل کے اندھے اسلامی حکمرانو ہوش کے ناخن لو۔قیامت کے روز مالک کائنات کو کیا جواب دو گے نبی مکرم ﷺ کے پاس شفاعت کے لیے کون سا منہ لے کر جاؤ گے ۔جو ابلیسی کھیل تم اسلامی دنیا میں کھیل رہے ہو اور جس طرح تم اسلامی اقدار کا مذاق اڑا رہے ہو انشاءاللہ تم اس کی سزا یہاں بھی پاؤ گے اور اگلی دنیا میں بھی ذلالت و رسوائی تمہارا مقدر ٹھہرے گی ۔ابھی وقت ہے سمجھ جاؤ۔ دین اسلام کی سربلندی کے لیے کام کرو ،امت مسلمہ کے وقار کے لیے کام کرو ۔بحیثیت مسلمان حکمران اپنی تمام تر ذمہ داریاں پوری کرو ۔فلاح پا جاؤ گے ،بلکہ امر ہو جاؤ گے ۔

عید ملن پارٹی

(ماجد محمود توحیدی، مرکز تعمیر ملت)

ماہ رمضان کی برکتوں اور رحمتوں کے بعد اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عید الفطر کی خوشیوں سے بھی نوازتا ہے۔اس دن مسلم معاشرہ باہم شیر وشکر ہو جاتا ہے اور آپس کی رنجشیں، گلے شکوے مٹا کر تعلقات کو مضبوط تر بنایا جاتا ہے۔ پیار و محبت کی فضا چار سو قائم ہو جاتی ہے۔

مرکز تعمیر ملت پر بھی 17 جولائی بروز اتوار عید ملن پارٹی کا پروگرام بنایا گیا۔عید ملن کے ساتھ ساتھ چونکہ 7 جولائی قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یوم وصال ہے اور 29 جولائی بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ جناب خواجہ عبد الحکیم انصاریؒ کا یوم ولادت ہے۔اس لیے ان بزرگوں کو خراج عقیدت پیش کرنے اور ان کے لیے ایصال ثواب کرنے کا بھی اہتمام کیا گیا۔

17 جولائی کو قرب وجوار کے بھی حلقہ جات بلکہ کچھ دور دراز کے حلقہ کے بھائیوں نے بھی اس پروگرام میں شرکت فرمائی۔جن میں سرفہرست ہمارے حلقہ ملتان کے بھائی محمد قاسم، فہد محمود بخاری، شہزاد محمود بخاری، محمد سعید اور کاشف سجاد ہیں۔اس کے علاوہ حلقہ نوشہرہ ورکاں، نوکھر، لاہور، ڈسکہ، گکھڑ، جڑانوالہ، فیصل آباد کے بھائیوں کی کثیر تعداد نے اس پروگرام میں شرکت کی۔پسرور سے جناب محمد صادق ڈوگر اور ظفروال سے رانا صفدر علی صاحب خصوصی طور پر اس پروگرام میں شمولیت کے لیے تشریف لائے۔

ایصال ثواب کے اس پروگرام میں شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی خصوصی دعوت پر قبلہ محمد صدیق ڈار صاحبؒ کی فیملی سے اماں جان (قبلہ ڈار صاحبؒ کی اہلیہ) ان کے صاحبزادے محترم جناب خالد محمود ڈار صاحب اور محترم جناب حامد محمود ڈار صاحب بھی اپنے بچوں سمیت تشریف لائے۔جن کی آمد سے پرگرام کی رونق دوبالا ہو گئی اور ان کو اپنے درمیان پا کر

قبلہ ڈار صاحبؒ کی یاد اور زیادہ ہمارے دلوں میں تازہ ہوگئی۔

پروگرام کا باقاعدہ آغاز ساڑھے دس بجے اجتماعی قرآن خوانی سے کیا گیا جو تقریباً ساڑھے گیارہ بجے تک جاری رہی۔ اجتماعی تلاوت کے بعد ذکر نفی اثبات کیا گیا۔ حلقہ ذکر گوجرانوالہ کے خادم حلقہ جناب محمد ریاض صاحب نے کروایا۔ اس کے بعد ڈسکہ کے بہت ہی پیارے بھائی جناب عبدالرشید ساہی صاحب نے اپنے مخصوص انداز اور خوبصورت آواز میں بارگاہ رسالت میں ہدیہ نعت پیش کیا۔

نعت شریف کے بعد اظہار خیال کا سلسلہ شروع ہوا تو سب سے پہلے ''فلاح آدمیت'' کے سابقہ ایڈیٹر جناب عبدالقیوم ہاشمی صاحب نے ''قبلہ انصاری صاحب کی شخصیت اور تعلیمات'' کے موضوع پر اظہار خیال کیا۔ آپ نے قبلہ انصاری صاحبؒ کو زبردست خراج تحسین پیش کیا اور ان کی عطا کردہ تعلیم پر جامع انداز میں گفتگو کی۔ سلسلہ کی تعلیمات پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ نے سلسلہ توحیدیہ کے عملی سلوک ذکر نفی اثبات اور پاس انفاس کی اہمیت اجاگر کی۔ انہوں نے کہا کہ اللہ کے ذکر کی کثرت ہی سے اللہ کی محبت اور قربت نصیب ہوتی ہے۔

ہاشمی صاحب کے بعد وزیر آباد سے تعلق رکھنے والے بھائی جناب طارق محمود الحسن خضری نے ''قبلہ ڈار صاحب اور سلسلہ کی تبلیغ و اشاعت'' کے موضوع پر سیر حاصل گفتگو فرمائی۔ انہوں نے قبلہ ڈار صاحبؒ کی سلسلہ کے لیے خدمات کو بڑے خوبصورت انداز میں بیان کیا۔ انہوں نے قبلہ ڈار صاحب کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا کہ آپؒ ہمہ گیر شخصیت اور ان گنت اوصاف کے حامل بزرگ تھے۔ اور انہوں نے اپنی پوری صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے سلسلہ کی تبلیغ و اشاعت میں بھرپور کردار ادا کیا۔

ایڈیٹر ''فلاح آدمیت'' جناب احمد رضا خان صاحب نے سب سے آخر میں ''حقیقی کامیابی'' کے عنوان کو موضوع سخن بنایا۔ انہوں نے قبلہ انصاری صاحبؒ اور قبلہ ڈار صاحبؒ کے ارشادات کی روشنی میں حقیقی کامیابی اور اس کا حصول مختصر مگر جامع انداز میں سامعین کے گوش گزار کیا۔

انہوں نے کہا کہ ہمیں دنیا اور اس کی لذتوں میں ہی کھو نہیں جانا چاہیے بلکہ ہمیں آخرت کو دنیا پر ترجیح دینی چاہیے کیونکہ دنیا گھٹیا اور ختم ہو جانے والی ہے اور آخرت کی نعمتیں بہترین اور ہمیشہ رہنے والی ہیں۔

اس کے بعد شیخ سلسلہ جناب قبلہ محمد یعقوب توحیدی صاحب نے ختم شریف پڑھا اور ایصالِ ثواب کیا۔ آپ نے تمام حاضرین و امت مسلمہ اور خصوصاً پاکستان اور افواج پاکستان کے لیے دعا کی کہ اللہ پاکستان کو اندرونی بیرونی سازشوں سے محفوظ رکھے، اس کے دشمنوں کے ارادوں کو اللہ خاک میں ملا دے اور اللہ افواج پاکستان کو ہر محاذ پر کامیابی و کامرانی عطا فرمائے۔ اور اللہ افواج پاکستان کو جذبہ جہاد سے سرشار فرمائے۔

ظہرانے کا وقت ہو گیا تھا لہذا آئے ہوئے بھائیوں کو کھانا پیش کیا گیا۔ ہر کام کی طرح کھانے کے دوران بھی بہترین نظم و ضبط سلسلہ توحیدیہ کا طرہ امتیاز رہا جو بہت کم جگہوں پر دیکھنے کو ملتا ہے

کھانے کے بعد نماز ظہر قبلہ بابا جان کی اقتدا میں ادا کی گئی۔ نماز ظہر کے بعد اکثر بھائی شیخ سلسلہ سے اجازت لے کر رخصت ہو گئے۔ باقی بھائی نماز کے بعد قبلہ بابا جان کے گرد بیٹھ گئے جیسے پروانے شمع کے گرد اکٹھے ہو جاتے ہیں اور فیض و نصیحت سے سیراب ہونے لگے۔ بابا جان نے مرکز پر ٹھہر جانے والے بھائیوں کو چائے پلائی۔ یہ سلسلہ شام تک چلتا رہا۔ نماز مغرب کے بعد ملتان سے آئے ہوئے بھائیوں نے بھی اپنے سینوں میں خوشگوار یادوں کو سمیٹ کر رختِ سفر باندھا۔

اس پروگرام کے انتظامی امور حسب سابق جناب محمد ریاض اور احمد رضا صاحب نے انجام دیے۔ ان کی معاونت کے لیے محمد انور، قیصر شاہ، حافظ محمد یٰسین موجود تھے۔ بابا جان نے انتظامات کو سراہا اور بھائیوں کو شاباش دی۔

اللہ کے شکر گزار بندے بنو

(ماجد محمود توحیدی، مرکز تعمیر ملت)

انسان پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور احسانات کا کوئی شمار نہیں ۔اللہ رحیم وکریم نے تو ہم پر اپنے احسانات اور نعمتوں کی تکمیل فرما کر احسان عظیم فرمایا ہے اور اپنی آخری و دائمی سر چشمہ ہدایت کتاب یعنی قرآن کریم میں یہ اعلان فرمادیا ہے

''آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کردیا ہے اور اپنی نعمتوں کی تکمیل کر دی ہے''

اللہ تبارک وتعالیٰ نے نعمتوں کی تکمیل کا اعلان فرما کر انسان کے دل میں احسان شناسی وشکر گزاری کا احساس جگایا ہے تا کہ انسان کے دل میں اپنے آقا و مولا کی محبت وشفقت پروان چڑھے۔

اللہ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت ہدایت کامل اور صراط مستقیم کا مل جانا بھی ہے۔ اس نعمت کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن پاک کی ابتدائی سورۃ میں اللہ رب العزت نے ہمیں خود یہ دعا تعلیم فرمائی ہے کہ جب اپنے رب کے حضور کھڑے ہوں تو اللہ سے اس طرح دعا مانگو

اهدِنَــــا الصِرَاطَ المُستَقِيمَ O صِـرَاطَ الَّذِيْنَ أَنعَمتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ المَغضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ O

ترجمہ: اے ہمارے رب ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔ان لوگوں کے راستہ پر جن پر تم نے انعام کیا نہ کہ ان لوگوں کے راستے پر جن پر تم نے غضب کیا اور نہ ہی ان لوگوں کے راستے پر جو گمراہ رہے''

یعنی سیدھے راستے کا نہ ملنا اور غلط راہ پر پڑ جانا بہت بڑی بدنصیبی ہے کہ انسان کبھی اپنی منزل کو پا ہی نہ سکے گا۔کیونکہ اس نے تو راستہ ہی غلط چن لیا ہے وہ تو ہمیشہ اپنی منزل سے دور ہی بھٹکتا پھرے گا جب تک کہ وہ اللہ کے فضل وکرم سے صراط مستقیم کا راہی نہ بن جائے۔اس لیے ہمیں اللہ کا کروڑوں بار شکر کرنا چاہیے کہ اس نے ہمیں مسلمان اور اپنے پیارے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا امتی بنایا ہے۔

برادران کرام! نعمت اسلام سے نوازنا ہی اللہ تعالیٰ اور غفور و رحیم آقا و مولا کا بہت بڑا احسان ہے لیکن جیسا کہ اس کی کریمی و رحیمی کی کوئی حد نہیں اس لیے اس نے ہم پر مزید فضل فرمایا کہ ہمیں دورِ حاضر کے عظیم بزرگ و روحانی پیشوا سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے بانی قبلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی ذات و تعلیمات سے وابستہ فرما دیا۔ جنہوں نے اس پرفتن اور ظلمت کے دور میں صحیح اسلامی تعلیم کے مطابق ہماری رہنمائی فرمائی کہ حق و باطل میں تمیز کرنا ہمارے لیے آسان ہو گیا۔

آپؒ نے جس طرح قرآن اور اسوہ حسنہ کے مطابق ہمارے عقائد اور قلب و فکر کی تطہیر فرمائی ہے اور تعلیم تصوف کو موجودہ زمانے کی آلائشوں اور فرسودہ رسوم سے پاک فرما کر تصوف محمدی ﷺ ہمارے سامنے پیش کیا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی ہم پر بہت بڑی رحمت اور مہربانی ہے کہ آج کا انسان راستے کی بھول بھلیوں میں گم ہو کر نہ رہ جائے بلکہ اپنی زندگی کے مقصد یعنی قرب الٰہی کی منزل کو پالے۔

برادران کرام! ہر ذات اور شخصیت کا اپنا ایک رول ہوتا ہے اور وہ اپنا کردار نبھا کر دنیا فانی سے پردہ فرما جاتے ہیں اور ان کے جانشین ان کے پیغام اور تعلیمات کو آگے بڑھاتے ہیں، دوسرے لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔ یوں روشنی کا سفر جاری و ساری رہتا ہے۔ محسن انسانیت تاجدار مدینہ سرور قلب و سینہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ آپ ﷺ اللہ کے آخری رسول اور امام الانبیاء بن کر دنیا میں تشریف لائے۔ آپ کی تعلیمات و فیض سے خطہ عرب جو جہالت و ظلمت اور بے راہ روی میں اپنی مثال آپ تھا، دنیا کا مہذب ترین خطہ بن گیا۔ لٹیرے انسانیت کے خدمتگار بن گئے۔ گویا پورے عرب معاشرے میں انقلاب برپا ہو گیا۔ آپ ﷺ کا وظیفہ حیات پورا ہو گیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے خطبہ حج الوداع کے موقع پر سب حاضرین سے پوچھا کہ کیا میں نے آپ لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچا دیا ہے تو سب نے کہا جی آپ نے اپنا فرض و حق ادا کر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی انگلی مبارک آسمان کی طرف بلند فرمائی اور فرمایا اے اللہ گواہ رہنا۔

آپ ﷺ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد آپ کے جانشین صحابہ اپنے حوصلے پست کر کے گھروں میں بیٹھ نہیں گئے بلکہ انہوں نے اسی جذبہ اور ولولہ و جوش کے ساتھ اللہ کا پیغام پوری

دنیا میں پہنچا دیا اور یہ انہی نفوس قدسیہ کی برکت ہے کہ آج آدھی دنیا مسلمانوں کے قبضے میں ہے اقبال نے کیا خوب فرمایا ہے۔

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

اسی طرح ہر دور میں اللہ کے نیک بندے اللہ کے بندوں کو گمراہی و ظلمت سے نکال کر روشنی کا مسافر بناتے رہے، خالق و مخلوق کا رشتہ مضبوط کرتے رہے۔ آج کے دور میں بھی مخلوق خدا اللہ کے فضل و رحمت سے محروم نہ رہی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کو اس دور میں پیدا فرمایا۔ آپ مسلمانوں کے لیے درد رکھنے والے بزرگ تھے۔ آپؒ نے سلوک طے کرنے اور بزرگی میں کمال پیدا کرنے کے بعد انسان اور رب کے رشتے کو مضبوط کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ اس کے لیے آپؒ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی بنیاد رکھی اور ہزاروں سالکین آپؒ کے فیض سے سیراب ہوتے رہے۔ اسی طرح قبلہ محمد صدیق ڈارؒ نے اپنے زمانے میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا، سلسلہ کی تعلیم کو آگے بڑھایا یہاں تک کہ اپنی ساری زندگی سلسلہ توحیدیہ کے مرکز تعمیر ملت کے لیے وقف کر دی۔

پیارے توحیدی بھائیو! ہمارے اسلاف نے اپنے اپنے دور میں اپنا اپنا کردار موثر طریقہ سے ادا کیا او رسلسلہ کی اشاعت و ترویج کا کام آگے بڑھتا رہا ان کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد اب ہماری باری ہے کہ ہم اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کریں۔ اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے اپنی پوری توانائیاں صرف کر دیں۔ ہمارا کام اللہ کا پیغام دوسرے انسانوں تک پہنچا دینا ہے کہ قیامت کے دن کوئی انسان یہ دعویٰ نہ کر سکے کہ مجھ تک تو روشنی پہنچی ہی نہیں تھی۔ میں اپنی ظلمت کو کیسے دور کرتا۔ ہمارا کام صرف پہنچا دینا ہے۔ باقی معاملہ اللہ اور اس کے بندوں کا ہے کہ کون حق کو قبول کر کے عمل کی طرف گامزن ہوتا ہے اور کون ہٹ دھرمی اختیار کر کے اندھیروں میں بھٹکتا رہتا ہے۔ یقیناً قبلہ انصاری صاحبؒ نے ہمیں جو تعلیم دی ہے وہ فرقہ پرستی، تنگ نظری اور مشرکانہ رسوم اور لغویات سے پاک خالص قرآن کی تعلیم ہے جس پر عمل سے اللہ اور اس کے بندے کا تعلق مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جاتا ہے اور یہی اسلام کی تعلیم ہے کہ انسان کا اپنے

ربّ کے ساتھ رشتہ استوار ہوکر حقیقی سطح پر قائم ہو جائے ۔پھر نہ تو وہ کسی اور کے آگے جھکتا ہے اور نہ کسی سے ڈرتا ہے اور نہ ہی کسی سے مرعوب ہوتا ہے ۔اس کا ملجا و ماویٰ اور امیدوں کا سہارا تو اللہ کی ذات ہوتی ہے ۔

میرے پیارے بھائیو! اگر ہم چاہتے ہیں کہ معاشرے کی ظلمت و تاریکی ختم ہو اور اللہ کا فضل و رحمت اور تائید و نصرت ہمارا مقدر ٹھہرے تو اس کے سوا کوئی چارا نہیں کہ ہم میدان عمل میں نکلیں ۔قبلہ انصاری صاحبؒ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق اللہ کے پیغام کی ترویج و اشاعت کا فریضہ ادا کریں تا کہ ہم صحیح طور پر اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ براں ہو سکیں ۔

اگر ہم قبلہ انصاری صاحبؒ کے مشن کی تکمیل (اسلامی معاشرے کا قیام) چاہتے ہیں تو ہمیں اس تعلیم کو دوسرے لوگوں تک پہنچانے کے لیے اپنی زندگیوں کو وقف کرنا ہوگا ۔ہمیں سلسلہ کے کام کو اپنے ہر کام پر ترجیح دینا ہوگی ۔پھر اللہ کی مدد ہمارے ساتھ ہے ،ہم جتنے خلوص ، پیار اور ولولے و جوش سے عمل کے میدان میں اتریں گے اللہ اتنی ہی ہماری مدد فرمائے گا اور ہماری کاوشوں کو قبول فرما کر بارآور فرمائے گا ۔اگر ہم خود صحیح طور پر بانی سلسلہ کی تعلیمات پر عمل کرتے ہیں ،نماز و ذکر کی پابندی کے ساتھ اخلاق و کردار کی مضبوطی کو یقینی بناتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہماری کہی ہوئی بات اثر نہ کرے اور اس کا نتیجہ نہ نکلے ۔

اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کی شکر گزاری کا یہی بہترین طریقہ ہے کہ انہیں لوگوں میں تقسیم کیا جائے ، دیے سے دیا جلایا جائے ، دنیا کی ظلمت و تاریکی کو روشنی میں تبدیل کرنے کا سامان کیا جائے ۔احمد فراز نے کیا خوب کہا ہے ۔

شکوہ ظلمت شب سے بہتر تھا　　　اپنے حصے کی کوئی شمع جلاتے جاتے ۔

اسی طرح ہم قیامت کے دن اللہ کے حضور سرخرو ہو سکیں گے ۔جب اللہ اپنی دی ہوئی نعمتوں کے بارے میں سوال کریں گے تو نعمتوں کا حق ادا کرنے والے یقیناً اللہ کی رضا و خوشنودی کو پا کر سرفراز ہو جائیں گے ۔

وما توفیق الا باللہ

علم کی اہمیت

تالیف :منصور علی خان ۔مترجم :ڈاکٹر خالد محمود ترمذی

علم وہ خزانہ ہے جسے کوئی نہیں چرا سکتا ۔علم کے ذریعے ہی ہم اللہ سبحانہ وتعالی کا قرب حاصل کرتے ہیں اور غیب پر ایمان لاتے ہیں ۔علم ہی وہ نور ہے جو ہمیں جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر معرفت الٰہی کے نور سے ہمکنار کرتا ہے ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بے شک اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے"۔

ہر سمت پھیلے ہوئے حسین مظاہر فطرت ،ان کی حسن ترتیب تمام اللہ کی کرشمہ سازی کے مظہر ہیں اور یہ سب اللہ تعالی کی انگشت نشانیاں ہیں جو بیان میں نہیں لائی جا سکتیں ۔قرآن حکیم نے سورہ لقمان میں اس کا نہایت خوبصورت نقشہ کھینچا ہے:

"اور اگر وہ جو زمین میں درخت ہیں سب قلم بن جائیں اور سمندر سیاہی ،اس کے بعد اس سمندر میں سات اور سمندر سیاہی کے آملیں تو بھی اللہ کے کلمات ختم نہ ہوں "۔ (لقمان ۳۱:۲۷)

السابقون الاولون

مسلمین بھی انسان تھے جو ہر قدم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مرضی کے مطابق اٹھانے میں اعزاز سمجھتے تھے اور ہر لمحے علم کے حصول کے لئے کوشاں رہتے تھے اور یہ ہی ان کی فراست ،بلاغت ،اعلی ظرفی اور اعلی منصبی کی وجہ تھے ۔آج امت مسلمہ حقیقی علم کو بے معنی جان کر ترک کر چکی ہے اور محض دنیاوی تعلیم کو اپنی کل کامیابی تصور کر چکی ہے اور جدید جہالت کی لپیٹ میں آ چکی ہے ۔وہ تمام علوم ، معارف اور محنت ناقص ہیں جو انسان کو اللہ تک نہ پہنچائیں ۔

لہٰذا عاقل کے لئے اتنا سمجھ لینا ہی کافی ہے کہ وہ ایسی جستجو اور جدوجہد سے اجتناب کرے جو انسان کو حقیقی معراج تک نہ پہنچا سکے۔ علم حقیقی کی جستجو کو ترک کرنا مہلک ہے اور محض دنیاوی کامیابی کو مقدم رکھنا سراسر جہالت ہے۔ امام شافعیؒ کا قول ہے کہ "اللہ کریم جاہل کو دوست نہیں رکھتا۔ اور جس بندے پر وہ اپنا فضل کرنا چاہتا ہے اسے اپنے دین کی سمجھ عطا کر دیتا ہے جس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔

"حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اسے دین کی سمجھ عطا فرماتے ہیں اور صحیح بات اس کے دل میں ڈالتے ہیں"۔ (رواہ البزار والطبرانی فی الکبیر مجمع الزوائد۔ ۱/۳۲۷)

حضرت آدم علیہ السلام کے سر پر علم کا تاج کیسے سجایا، اس کی تفصیل قرآن کریم کی سورۃ بقرہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ یہاں میں مختصر طور پر یہ بتانا چاہوں گا کہ اللہ کریم نے مسلمانوں کو علم کا پہلا سبق اپنے محبوب کو پہلی وحی کے ذریعے کیسے دیا۔ سورہ علق میں فرمان الٰہی ہے:

"پڑھ اپنے رب کے (بابرکت) نام سے جس نے پیدا کیا۔ جس نے انسان کو خون کے جمے ہوئے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ اپنے سب سے زیادہ عزت والے رب کے نام سے جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا۔ انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا"۔ (علق ۹۶:۱-۵)

یعنی پہلی وحی کے ذریعے اللہ سبحانہ تعالیٰ ہمیں لکھنے پڑھنے کی ترغیب دے رہا ہے اور ہمیں متنبہ کر رہا ہے کہ یہ سب علم اس ذات کی دین ہے، ہمارا اپنا اس میں کوئی کمال نہیں۔

اللہ سبحانہ تعالیٰ ہمیں ہر لمحہ ہر آن، ہر روز، ہر وقت نئے نئے علم سے آراستہ کر رہا ہے، انفرادی طور پر اور اجتماعی طور پر بھی۔ بہر حال اس کا اثر روحانی زندگی میں زیادہ نمایاں ہے۔ ہر قسم کے علوم اور زندگی کے ہر میدان میں جو صلاحیتیں اور قابلیتیں انسانوں کو انفرادی طور پر یا اجتماعی طور پر ودیعت کی گئی ہیں وہ اللہ کی نعمتیں ہیں، احسانات ہیں لیکن انسان کی یہ فاش غلطی ہے کہ وہ انہیں اپنا کمال قرار دیتا ہے۔ یہ اس کی محدود سوچ کا مظہر ہے۔ انسان کا علم، عقل و شعور انفرادی ہو

خواہ مجموعی یا اجتماعی، بہت محدود ہے اور یہ بھی اللہ کریم کی عطا ہے۔اس لئے انسان کو اللہ کے دربار میں یہ دعا کرتے رہنا چاہیے۔رب زدنی علما اے رب مجھے اور علم عطا فرما اور تمام علوم و معارف کو اللہ کریم کی عطا سمجھتے رہنا چاہیے اور کتاب اللہ یعنی قرآن جو سب علوم و معارف کا خزانہ ہے اس سے رہنمائی حاصل کرتے رہنا چاہیے۔

علم کی اہمیت قرآن مجید کی روشنی میں:

کیونکہ زندگی میں جب کبھی ہمیں چیلنجوں کا سامنا ہوتا ہے یا ہم مصائب کا شکار ہوتے ہیں تو قرآن وسنت محمدی ﷺ ہی ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔بشرطیکہ ہم ان کی تعلیمات پر دھیان دیں اور انہیں عمل میں لائیں۔1400 سال سے قرآن مجید ہمیں یہ یاد دلا رہا ہے:

"بے شک ہم نے قرآن کو سمجھنے اور یاد کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے، پھر ہے کوئی دھیان دینے والا"۔(القمر ۵۴:۱۷)

شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ نے ان الفاظ میں قرآن مجید کے فضائل بیان کئے ہیں۔ فرماتے ہیں یہ نیک لوگوں کے لئے خزانہ ہے۔اس کی تعلیمات حیات ابدی کا سرچشمہ ہیں۔ یہ ہر انجام کا آغاز ہے اور ہر آغاز کا انجام ہے۔اس پر عمل کر کے مومن خیبر کے فاتح بن سکتے ہیں میری شاعری میں جو سوز و گداز پایا جاتا ہے وہ اسی کی بدولت ہے، اسی سے اخذ کیا گیا ہے۔

علم کی اہمیت احادیث کی روشنی میں:

حضرت عثمانؓ راوی ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"تم میں بہترین وہ ہے جو قرآن خود سیکھے اور دوسروں کو سکھائے"۔(ترمذی)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا:

"دو آدمیوں سے حسد (بمعنی رشک) جائز ہے، ایک وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا ، وہ اسے حق کے راستے میں لٹاتا ہے اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے حکمت و دانائی عطا کی اور وہ اس کے مطابق فیصلے کرتا ہے اور دوسروں کو سکھاتا ہے"۔(متفق علیہ)

ایک اورحدیث جس سے علم کی اہمیت واضح ہوتی ہے،اس کے اسد بن سعید یا سعید بن العاص راوی ہیں۔حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

"ادب سے بڑھ کر کوئی عطیہ باپ اپنے بچے کو نہیں دے سکتا"۔(ترمذی واحمد)

قرآن وحدیث کی رو سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ "**طلب العلم فریضه علی کل مسلم**"۔"علم کا حصول ہر مسلمان پر فرض ہے"۔(ابن ماجہ)

الہام کے ذریعے حاصل شدہ علم اور کسی ادارے سے حاصل کردہ تعلیم یہ دونوں ہماری اس عارضی زندگی اور آخرت کی ابدی زندگی میں کامیابی کے ذرائع ہیں۔لہٰذا تعلیم دینی اور دنیاوی علوم وفنون کی جامع ہونی چاہیے جو ایک متوازن شخصیت کو پروان چڑھانے میں مددگار ہو جو محبت اور امن وآشتی کی پیغامبر ہو۔تعلیم انسان کی ہمہ جہتی ترقی کی ضامن ہے اور یہ ایسی ہونی چاہیے جو اس کے دونوں جہانوں میں کام آئے۔ایسی تعلیم بغیر لگن شوق وذوق اور جذبے کے حاصل نہیں ہو سکتی۔

تعلیمی نصاب "احکامِ الٰہی" کے مطابق ہونا چاہیے

پہلے تو یہ طے کرنا ہے کہ یہ جو ہم جہالت کی تاریکی میں غرق ہیں کیا اس میں بذاتِ خود قصوروار ہیں یا یہ غیروں کی سازش ہے؟ درحقیقت دونوں امکان موجود ہیں۔جیسا کہ لارڈ میکالے کے تاریخی الفاظ جو فرنگی مقاصد تعلیم کے آئینہ دار ہیں، سے واضح ہے:

"We want to produce a class of people who should be Indian in blood but English in taste, in opinion, in moral and in intellect."

"یعنی ہم ہندوستانیوں میں ایک ایسا طبقہ پیدا کرنا چاہتے ہیں جو خون کے لحاظ سے تو ہندوستانی ہوں لیکن انکے ذہن،ذوق رائے،عقل اور اخلاق فرنگی ہوں"۔

(1835ء کی میکالے رپوٹ "علم الیقین" برائے BA اعتصام پبلشرز اردو بازار لاہور)

اس طرح برطانوی استعمار نے اپنے عزائم حاصل کرنے کے لئے ہندوستانیوں کے ذہنوں کو مخصوص نظام تعلیم کے ذریعے مغلوب کیا اور ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ برطانوی استعمار کے جانے کے بعد بھی ہم اس کے نظام تعلیم اور نصاب میں محض چند تبدیلیاں کر کے اسے رائج کئے ہوئے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جہالت اور ناخواندگی ہمارے معاشرے پر غالب آ چکی ہے اور یہ ہماری دنیاوی اور روحانی زندگی کے لئے ایک بڑا خطرہ بن چکی ہے۔اس کا ہمیں ہر حال میں مقابلہ کر کے جڑ سے ختم کرنا ہے۔اللہ کریم نے ہمیں ایک مکمل ضابطہ حیات دیا ہے لیکن شرمناک پہلو اس امر کا یہ ہے کہ تابناک ماضی کے مالک ہونے کے باوجود آج ہمارے دینی اور دنیاوی حالات دگرگوں ہیں۔ان میں ہمیں ناکامی کا سامنا ہے۔اگر چہ اس میں غیروں کا ہاتھ ہے لیکن قصور بہر حال پوری مسلم امہ کا ہی ہے۔اب جب ہم نے یہ معلوم کرلیا کہ غلطی کس کی ہے، قصور کس کا ہے ،تو ہمیں اصلاحِ احوال کی کوشش کرنا چاہیے قبل اس کے کہ صورت حال ہمارے قابو سے باہر ہو جائے یا اور بدتر ہو جائے۔

رجوع الی الدین کے باب میں ہم نے تفصیل سے یہ بحث کی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کی رضا کے حصول کے لئے ایمان کا کون سا درجہ ہمیں حاصل کرنا چاہیے۔اس سے زیادہ یہ بھی واضح ہو گیا کہ اللہ کریم سے اپنے رشتے اور تعلق کو مضبوط کرنے اور معرفتِ الٰہی کا واحد ذریعہ علم ہے(قرآن وسنت کا علم)۔چونکہ تمام علوم کا سرچشمہ اللہ کی ذات عالی ہے اس لئے یہ انتہائی ضروری ہے کہ ہم اپنے آپ کو دینی اور دنیاوی علوم سے بہرہ ور کریں تا کہ ہم اپنی ذات کا عرفان حاصل کر سکیں اور اپنی تخلیق کا مقصد جان سکیں۔یہ بھی ممکن ہے کہ ہم اپنے رب یعنی خالق و مالک کی ہدایت کی پیروی کرتے ہوئے محبت، امن و آشتی اور تحمل و برداشت کی صفات اپنے اندر پیدا کریں اور دوسروں کے ساتھ ان صفات کا مظاہرہ کریں۔علامہؒ بانگ درا میں لکھتے ہیں:

اس دور میں تعلیم ہے امراضِ ملت کی دوا
ہے خونِ فاسد کے لئے تعلیم مثلِ نیشتر

نا خواندگی ذہن کا اندھاپن ہے، یعنی ذہنی بے بصیرتی ہے۔اس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے ایک بڑے جہاد کی ضرورت ہے کیونکہ اپنے نفس کو ہر عیب سے پاک صاف کرنے کے لئے نفس کے خلاف مسلسل جہاد کی ضرورت ہوتی ہے۔امام غزالیؒ اپنی تصنیف **مکاشفة القلوب** میں روایت کرتے ہیں:

صحابہ کرام جب کسی جہاد سے لوٹتے تو کہتے "**رجعنا من جهاد الاصغر الا جهاد الاکبر**" "یعنی ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹ آئے ہیں"۔(امام غزالی۔مکاشفة القلوب صفحہ ۲۹۔دارالاشاعت کراچی)

کیونکہ نفس کے خلاف جہاد تو ایک مسلسل عمل ہے جو ہر آن جاری ہے اور کفار کے خلاف جہاد کبھی کبھی ہوتا تھا۔دوسری وجہ یہ ہے کہ ہمارا نفس ایک چھپا دشمن ہے اور کافر تو کھلے دشمن ہیں۔لہذا کھلے دشمن کا مقابلہ کرنا چھپے ہوئے دشمن کی نسبت آسان ہے۔اس لئے ہمیں اپنے نفس کا مسلسل محاسبہ کرتے رہنا چاہیے اور اس کے لئے علم کے ہتھیار سے مسلح ہونے کی ضرورت ہے۔انسانی ذہن کی پیچیدگیوں کو سمجھنے کے لئے ہمیں وہ الہامی رہنمائی چاہیے جو صرف اللہ کریم سے براہ راست حاصل ہو اور یہ وجدان کے ذریعے ملتی ہے اور یہ ایسا مثبت رابطہ ہے (جیسے برقی رو جنریٹر سے ملتی ہے) کہ جس سے جہالت کی تاریکی علم و آگہی کی روشنی میں بدل جاتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ سے براہ راست رابطہ ہمارے دل و دماغ کو ایسے منور کر دیتا ہے کہ جس کی مدد سے ہم اللہ کریم کی صفات عالیہ کا ادراک حاصل کر لیتے ہیں کہ وہ رحیم ہے، کریم ہے، مالک ہے، خالق ہے، وہ رب یعنی پروردگار ہے، وہ قہار ہے، جبار ہے، ستار ہے، غفار ہے، **لہ الاسماء الحسنی** سارے اچھے نام اسی کی ذات کو زیب دیتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا بنا کے اس میں اپنی روح پھونکنے کا مقصد یہ تھا کہ اسے علم کے مرتبے پر سرفراز اور اسے علم کے ذریعے خلافت کے درجے پر فائز کرے اور اس کی ذرّیت یعنی تمام بنی نوع انسان اللہ پر ایمان لائیں اور اس کے احکام مانیں۔

ندامت،توبہ اور استغفار

(مرسلہ:فہدمحمود بخاری)

حضرت مجددالف ثانیؒ فرماتے ہیں

"جس گناہ کے بعدندامت نہ ہو،اندیشہ ہے کہ اسلام سے باہر نہ کردے"۔

ندامت دل کا وہ افسوس اور پشیمانی ہے جوکسی گناہ کا ارتکاب کر لینے کے بعد پیدا ہوتی ہے۔جس میں یہ حسرت غالب ہوتی ہے کہ کاش کہ ہم نے یہ فعل نہ کیا ہوتا۔

جب دل کی حالت ایسی رہے کہ گناہ کے ارتکاب کےفوراََ ہی بعدوہ ندامت کی اذیت سے دوچار ہو جائے،تب تک اس کی اصلاح کے مواقع موجود رہتے ہیں،مگر جب انسان ڈھٹائی کی اس منزل پر جا پہنچے کہ خرابیاں کرتا جائے اور ان پر ذرا بھی پشیمان نہ ہو تو پھر اس کی اصلاح کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں۔الاماشاءاللہ۔

توبہ کا مطلب ہے لوٹ آنا۔انسان جب گناہ کا ارتکاب کرکے پشیمان ہوتا ہے اور عہد کرتا ہے کہ آئندہ ایسے نہیں کروں گا،تو گویا وہ نیکی کی طرف لوٹ آتا ہے اور جب وہ نیکی کی طرف لوٹ آتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنی ناراضگی دور کرکے رحمت کے ساتھ اس کی طرف لوٹ آتا ہے۔

"بیشک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا بڑا رحم فرمانے والا ہے"۔(النساء16)

استغفار کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش مانگنا۔جب ہم اعمال بد کا ارتکاب کرتے ہیں،تو اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض ہو جاتا ہے اور ہم ان سزاؤں کے مستحق ہو جاتے ہیں جو ان برے اعمال کے لئے معین کر دی گئی ہیں۔استغفار کرنے کا مدعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور تضرع وزاری کی جائے کہ جو گناہ ہم کر چکے ہیں،اللہ اپنی رحمت سے کام لیتے ہوئے

ہمیں ان کی سزا نہ دے اور انہیں نظر انداز کر کے ہم سے راضی ہو جائے۔

تزکیہ نفس کے لئے گناہوں پر نادم ہونا، توبہ اور استغفار کرتے رہنا لازمی امور ہیں اور ان کی مزید وضاحت کے لئے دیکھنا مفید ہوگا کہ کلام الٰہی، احادیث نبوی ﷺ اور سلف صالحین کے اقوال و بیانات میں ان کے بارے میں کیا کچھ فرمایا گیا ہے۔

ندامت :

حضرت عقبہؓ بن عامر بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے حضور میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ "نجات حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے"۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اپنی زبان پر قابو رکھو اور چاہیے کہ تیرے گھر میں تیرے لئے گنجائش ہو اور اپنے گناہوں پر رویا کرے"۔ (ترمذی)

جن گناہوں کا ارتکاب کیا جا چکا ہو، ان پر رونا انسان کو اس بات کے لئے تیار کرتا ہے کہ وہ آئندہ ایسی حرکت نہ کرے، جس کے باعث پھر رونا پڑ جائے۔

حضرت عبداللہؓ نے فرمایا کہ مومن اپنے گناہوں کو ایسے دیکھتا ہے گویا وہ کسی پہاڑ کے نیچے ہے اور ڈرتا ہے کہ یہ پہاڑ اس پر آ گرے گا اور بدکار اپنے گناہوں کو ایسے دیکھتا ہے گویا اس کی ناک پر مکھی بیٹھی ہو کہ یوں اشارہ کیا اور وہ اڑ گئی۔ (ترمذی)

اس روایت میں ایک متقی دل کی صحیح کیفیت کی عکاسی کی گئی ہے کہ مومن سے تقاضائے بشریت اگر کوئی گناہ ہو بھی جاتا ہے تو وہ گناہ اسے اتنا بڑا لگتا ہے جیسے پہاڑ اور وہ لرزتا ہے کہ اس کا عذاب اتنا بڑا ہوگا کہ اسے کچل کر رکھ دے گا۔ یہ کیفیت لازماً اس کے دل میں ندامت کا طوفان کھڑا کر دیتی ہے اور وہ غم سے چور ہو جاتا ہے کہ کاہے کے لئے اتنا بڑا عذاب سمیٹ لیا۔ اس کے برعکس بدعمل شخص کو چونکہ اپنی کوتاہ بینی کے بعد گناہ کا خوف اور اس کے عذاب کی پروا نہیں،

اس لئے وہ ذرا بھی خوف نہیں کھاتا اور اپنے گناہ کی سزا کی کچھ پروا نہیں کرتا۔

چونکہ گناہ پر نادم ہونا ذریعہ بنتا ہے توبہ کرنے کا، اس لئے خود ندامت کو بھی توبہ کی ایک قسم شمار کیا گیا ہے۔

حضرت ابن معقل بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے باپ کے ساتھ حضرت عبداللہؓ کے پاس گیا کیونکہ میں نے سنا تھا کہ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ندامت توبہ کی ایک قسم ہے۔ میرے باپ نے حضرت عبداللہؓ سے پوچھا کہ کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا تھا کہ ندامت توبہ کی ایک قسم ہے تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں۔ (ابن ماجہ)

ایسے ہی حضرت مجدد الف ثانیؒ نے بھی فرمایا ہے کہ:

"گناہ کے بعد ندامت بھی توبہ کی ایک شاخ ہے"۔

بنو امیہ کے پانچویں خلیفہ عبد الملک نے ایک دفعہ مشہور تابعی حضرت سعید بن مسیّبؒ سے کہا۔ "ابو محمد! اب میری یہ حالت ہوگئی ہے کہ اچھا کام کرتا ہوں تو اس سے کوئی خوشی نہیں ہوتی اور اگر برا کام کرتا ہوں تو اس کا کوئی رنج نہیں ہوتا"۔

"اس پر حضرت سعید بن مسیّبؒ نے فرمایا کہ "اب تمہارا قلب پورے طور پر مر چکا ہے"۔

توبہ :

سورۃ التحریم آیت 8 میں اہل ایمان کو توبہ کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ کے حضور میں توبہ کرو، خالص توبہ۔ بعید نہیں کہ اللہ تمہاری برائیاں تم سے دور کر دے اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل فرما دے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی"۔

اس عبارت میں آنے والے الفاظ توبۃ نصوحا کی تشریح یوں کی گئی ہے:

نُصح کے معنی عربی زبان میں خلوص اور خیر خواہی کے ہیں۔ خالص شہد کو عسل ناصح کہتے ہیں

،جس کوموم اور دوسری آلائشوں سے پاک کر دیا گیا ہو۔ پھٹے ہوئے کپڑے کوسی دینے اور ادھڑے ہوئے کپڑے کی مرمت کر دینے کے لئے نصاحة التوب کالفظ استعمال کیا جاتا ہے۔پس توبہ کونصوح کہنے کا مطلب لغت کے اعتبار سے یا تو یہ ہوگا کہ آدمی ایسی خالص توبہ کرے،جس میں ریا اور نفاق کا شائبہ تک نہ ہو یا یہ کہ آدمی خود اپنے نفس کے ساتھ خیر خواہی کرے اور گناہ سے توبہ کرکے اپنے آپ کو بدانجامی سے بچالے یا یہ کہ گناہ سے اس کے دین میں جو شگاف پڑ گیا ہے ،توبہ کے ذریعے سے اس کی اصلاح کر دے یا یہ کہ توبہ کرکے وہ اپنی زندگی کو اتنا سنوار لے کہ دوسروں کے لئے وہ نصیحت کا موجب ہو اور اس کی مثال دیکھ کر دوسرے بھی اس کی طرح اپنی اصلاح کر لیں۔

یہ تو ہیں توبۂ نصوح کے وہ مفہومات جو اس کے لغوی معنوں سے مترشح ہوتے ہیں۔رہا اس کا شرعی مفہوم،تو اس کی تشریح ہمیں اس حدیث میں ملتی ہے جو ابن ابی حاتم نے زر بن حبیش کے واسطے سے نقل کی ہے۔وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابیؓ بن کعب سے توبۂ نصوح کا مطلب پوچھا انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہﷺ سے یہی سوال کیا تھا،تو آپﷺ نے فرمایا تھا:

"اس سے مراد یہ ہے کہ جب تم سے کوئی قصور ہو جائے تو اپنے گناہ پر نادم ہو۔پھر شرمندگی کے ساتھ اس پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو اور آئندہ کبھی اس فعل کا ارتکاب نہ کرو"۔

یہی مطلب حضرت عمرؓ حضرت عبداللہؓ بن مسعود اور حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ سے بھی منقول ہے اور ایک روایت میں حضرت عمرؓ نے توبۂ نصوح کی تعریف یہ بیان کی ہے کہ توبہ کے بعد انسان گناہ کا اعادہ تو درکنار،اس کے ارتکاب کا ارادہ تک نہ کرے۔(ابن جریر)

حضرت علیؓ نے ایک مرتبہ ایک بدو کو جلدی جلدی توبہ و استغفار کے الفاظ زبان سے ادا کرتے سنا تو فرمایا کہ یہ توبة الکذابین (بہت جھوٹوں کی توبہ) ہے۔اس شخص نے پوچھا کہ پھر

صحیح توبہ کیا ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اس کے ساتھ چھ چیزیں ہونی چاہئیں:

1- جو کچھ ہو چکا اس پر نادم ہو۔

2- اپنے جن فرائض سے غفلت برتی ہو، ان کو ادا کر۔

3- جس کا حق مارا ہو، اس کو واپس کر۔

4- جس کو تکلیف پہنچائی ہو، اس سے معافی مانگ۔

5- آئندہ کے لئے عزم کر کہ اس گناہ کا اعادہ نہ کرے گا۔

6- اپنے نفس کو اللہ کی اطاعت میں گھلا دے، جس طرح تو نے اب تک اسے معصیت کا خوگر بنائے رکھا۔ اور اس کو طاعت کی تلخی کا مزا چکھا جس طرح اب تک تو اسے معصیتوں کی حلاوت کا مزا چکھاتا رہا ہے۔ (کشاف) (تفہیم القرآن جلد 3 صفحات 30،31)

سورۃ النور، آیت 31 میں اہل ایمان کو توبہ کرنے کی تاکید کی گئی ہے:

"اے مومنو تم سب مل کر اللہ کے حضور میں توبہ کرو۔ توقع ہے کہ فلاح پاؤ گے"۔

سورۃ الحجرات، آیت 11 میں مسلمانوں کو ایک دوسرے کا مضحکہ اڑانے، ایک دوسرے پر طعنہ زنی کرنے اور ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرنے سے منع فرما کر آخر میں یہ وعید فرمائی گئی ہے کہ:

"اور جو لوگ توبہ نہ کریں گے تو وہی ظالم ہیں"۔

توبہ کی فضیلت معلوم کرنے کے لئے ذیل کی آیات و احادیث کو دیکھ لینا کافی ہوگا۔

سورۃ المومن آیات 7،8،9 میں فرمایا گیا ہے:

"جو فرشتے کہ عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو فرشتے اس کے اردگرد ہیں، وہ اپنے رب کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لئے

استغفار کیا کرتے ہیں (اوردعا کرتے ہیں) کہ اے ہمارے پروردگار آپ کی رحمت اور علم ہر چیز کو شامل ہے، سو ان لوگوں کو بخش دیجئے جنہوں نے توبہ کر لی ہے اور آپ کے رستے پر چلتے ہیں اور ان کو جہنم کے عذاب سے بچا لیجئے۔ اور اے ہمارے پروردگار، ان کو ہمیشہ رہنے کے بہشتوں میں جن کا آپ نے ان سے وعدہ کیا ہے داخل کر دیجئے اور ان کے ماں باپ اور بیبیوں اور اولاد میں سے جو لائق ہوں، ان کو بھی داخل کر دیجئے بلاشبہ آپ زبردست اور حکمت والے ہیں۔ اور ان کو تکالیف سے بچایئے اور آپ جس کو اس دن کی تکالیف سے بچالیں تو اس پر آپ نے مہربانی فرمائی اور یہ بڑی کامیابی ہے"۔

سوۃالبقرہ، آیت 222 میں ارشاد ہوا ہے:

"بے شک اللہ محبت رکھتا ہے توبہ کرنے والوں سے اور محبت رکھتا ہے پاکیزگی اختیار کرنے والوں سے"۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب بندہ بد کاری کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا اور جب وہ چوری کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا اور جب وہ شراب پیتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا اور جب وہ کسی کو قتل کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا۔

حضرت عکرمہؓ بیان کرتے ہیں کہ اس پر میں نے عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا کہ ان صورتوں میں ایمان اس سے کس طرح کھینچ لیا جاتا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ اس طرح اور اپنی انگلیوں کو ایک دوسری میں ڈال کر پھر نکالا پھر فرمایا کہ پھر اگر وہ شخص توبہ کرے تو ایمان اس کی طرف لوٹ آتا ہے اور پھر اپنی انگلیوں کو انگلیوں میں ڈالا۔ (بخاری)

سورۃ المطففین، آیت 14 میں اللہ تعالیٰ قیامت کو جھٹلانے والوں کی قلبی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ہرگز نہیں بلکہ دراصل ان لوگوں کے دلوں پر ان کے برے اعمال کا زنگ چڑھ گیا ہے"۔

اس آیت میں جو لفظ 'ران' استعمال ہوا ہے، جس کا مطلب ہے کہ زنگ چڑھ گیا ہے، اس کی وضاحت حضور ﷺ کی ایک حدیث میں ملتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ بنا دیا جاتا ہے۔ پھر جب وہ اس گناہ کو چھوڑ دیتا ہے اور استغفار کرتا ہے اور توبہ کرتا ہے تو اس کے دل کی صفائی کر دی جاتی ہے (اور وہ نقطہ مٹ جاتا ہے) اور اگر وہ دوبارہ گناہ کرتا ہے تو اس نقطے کو بڑھا دیا جاتا ہے، یہاں تک کہ (آخر رفتہ رفتہ) وہ اس کے تمام دل پر چھا جاتا ہے اور یہی وہ 'ران' ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر کیا ہے

خواجہ حسن بصریؒ فرماتے ہیں: "جب بندہ گناہ کے بعد توبہ کرتا ہے تو اس سے اللہ کے ساتھ اس کی قربت میں اضافہ ہوتا ہے"۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کا فرمان ہے "بوڑھے آدمی کا توبہ کرنا عمدہ کام ہے لیکن جوان آدمی توبہ کرے تو یہ بہت ہی عمدہ کام ہے"۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں: " آج کا دن بدن کو چھریرا بنانے والا ہے۔ کل کا دن دوڑ کے لئے مقرر ہو چکا ہے۔ سامنے جنت ہے اور آخر کار دوزخ۔ کیا تم میں کوئی ایسا نہیں ہے جو اپنی موت سے پہلے توبہ کر لے۔ کیا کوئی ہے جو یوم آخرت سے پہلے اپنے لئے کوئی نیک کام کر لے"۔

حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں، جو نیکی فی الفور کسی نور یا علم کا پھل نہ دے اسے نیکی شمار نہ کر، اور جس گناہ کے بعد فی الفور اللہ کا خوف اور توبہ میسر آ جائے اسے گناہ نہ گن"۔

دو کردار

(مولانا خالد سیف اللہ رحمانی)

قرآن مجید ہدایت اور رہنمائی کی کتاب ہے۔اس کے ہر لفظ کی تہہ میں ہدایت کا نور موجود ہے، اس نے دو اہم کردار پیش کئے ہیں، انسانیت کے باپ اور اللہ تعالیٰ کے پہلے پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام کا اور شیاطین کے سردار ابلیس کا۔!

ابلیس بھی ''جن'' نامی مخلوق ہی سے تعلق رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ نے جب یہ حسین وجمیل اور آراستہ وپیراستہ دنیا بنائی تو پہلے اس کو جنوں سے بسایا، مگر انہوں نے اللہ کے سامنے جھکنے کے بجائے سرکشی کا ثبوت دیا اور تکبر کی راہ اختیار کی، اس لئے خدا کے حکم سے جنوں کو از راہ سرزنش پہاڑوں اور جنگلوں میں قیام کا حکم دیا گیا، انہیں میں ابلیس تھا، یہ بظاہر اپنی قوم سے جداگانہ مزاج رکھتا تھا، مطیع وفرمانبردار اور عبادت گزار، اللہ تعالیٰ گو اس کی باطنی کیفیت سے واقف تھے، لیکن ظاہری حالات کی رعایت سے اس کا درجہ بلند کیا گیا اور اسے عالم بالا میں جگہ دی گئی، اب یہ فرشتوں کا مصاحب تھا اور مقربین بارگاہ الٰہی کے ساتھ رہتا تھا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آب وخاک کی اس دنیا میں نئی بستی بسانے کی غرض سے حضرت آدم علیہ السلام کو تخلیق فرمایا، جہاں مٹی سے آپ کا مادہ تخلیق کیا، وہیں علم وتحقیق کی صلاحیت حضرت انسان کی سرشت میں داخل فرمائی، پھر خالق کائنات کی طرف سے انسان کی عظمت اس طور ظاہر کی گئی کہ قدسیانِ عالم بالا کو حضرت آدم علیہ السلام کی طرف سجدہ ریز ہونے کا حکم فرمایا گیا، یہ حکم فرشتوں کو بھی ہوا اور شیطان کو بھی، فرشتے تو فوراً ہی سربسجود ہوگئے، لیکن ابلیس کی ''انا'' (جواب تک بہ تکلف دبی ہوئی تھی) نے اب انگڑائی لی، اس نے آدمؑ کی طرف سجدہ کرنے سے انکار کردیا اور کبر پر اُتر آیا، پھر جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے دھتکارا گیا اور زمین پر اس کا اخراج عمل میں آیا، تب بھی اسے کوئی پشیمانی نہیں ہوئی اور کبر وعلم کے احساس سے وہ اپنے آپ کو فارغ نہیں کرپایا، بلکہ ایک حد تک اس نے باری تعالیٰ کو قصوروار قرار دینے کی جسارت کی کہ آدم

تخلیقی اعتبار سے اس سے کم تر ہے، اس لئے اس کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ ریز کرنا، اس کی تحقیر واہانت اور گویا اس کے ساتھ نا انصافی ہے، اس نے یہ نہ سمجھا کہ ربِّ کائنات ہی تمام مخلوقات کا مالک ہے اور وہ جس کیلئے جو درجہ و مقام متعین کرے، وہی اس کا صحیح اور اصل مقام ہے۔ یہ ایک کردار ہے، جس میں کبر ہے، اپنی ''انا'' کی پرستاری ہے، اعترافِ حقیقت سے پہلوتہی اور خسران ومحرومی کے اسباب کو اپنے بجائے دوسروں میں تلاش کرنے کی کوشش ہے۔

دوسرا کردار حضرت آدمؑ کا ہے، حضرت آدم علیہ السلام اس اعزاز واکرام کے بعد جنت میں رکھے گئے، جنت صرف راحتوں اور نعمتوں کی جگہ ہے، جہاں نہ غمِ امروز ہے اور نہ فکرِ فردا، لیکن انسان ''اُنس'' سے ماخوذ ہے، اس لئے وہ کسی ''انیس'' کے بغیر ہمیشہ بے سکون ہی رہتا ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ایک ''اُنسی'' بھی عطا فرمایا اور آپؑ ہی سے آپ کے جوڑے حضرت اماں حوا کی تخلیق فرمائی۔ اب اس وسیع وعریض جنت میں اس جوڑے کو سب کچھ میسر تھا، وہ بھی جو سوچا جائے اور وہ بھی جو تصور سے بالاتر ہو، البتہ ایک پھل کھانے کی ممانعت تھی، شیطان جو انسان کا ازلی دشمن ہو چکا تھا، وہ کو آسمان سے نکالا گیا تھا، مگر دامِ وسوسہ اب بھی آسمان بلکہ جنت تک پھینک سکتا تھا، آخر اس بھولے بھالے انسانی جوڑے نے بھول کی اور وسوسہ شیطانی کا شکار ہو کر اس شجرِ ممنوعہ سے کھالیا، پھر کیا تھا؟ پہلے لباسِ جنت اُترا اور پھر ''بڑے بے آبرو ہو کر تیری جنت سے ہم نکلے'' کے مصداق حضرت آدم علیہ السلام اور اماں حوا علیہا السلام زمین پر اُتارے گئے۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا نزول ہندوستان ہی کے جنوبی علاقہ سری لنکا میں ہوا تھا۔ حدیث میں آیا کہ حضرت آدمؑ تو اتنا روئے، لجائے، گڑگڑائے، اللہ کے سامنے جھکے اور بچھے، ہاتھ پھیلایا اور دستِ عفوخواہی دراز کیا کہ شاید ہی کسی اور نے کیا ہو۔ یہ بھی عرض کر سکتے تھے کہ اس میں میرا کیا قصور! یہ تو سب شیطان کی وسوسہ اندازی کا نتیجہ ہے، لیکن حضرت آدم علیہ السلام پہلے انسان بھی تھے اور پہلے پیغمبر بھی، پیغمبر سے بڑھ کر نہ کوئی خدا شناس ہو سکتا ہے اور نہ خدا کا مرتبہ شناس، حضرت آدم علیہ السلام نے دوسروں کے بجائے اپنے آپ میں اللہ تعالیٰ کی ناخوشنودی کی وجہ کو تلاش کیا اور نہایت فروتنی سے عرض گزار ہوئے: ''اے ہمارے

پروردگار! ہم نے اپنے آپ پر خود ہی بڑا ظلم کیا ہے، اگر آپ نے ہمیں معاف نہ فرمایا اور رحم و کرم کا معاملہ نہ فرمایا تو ہم بے شک سخت نقصان اُٹھانے والے ہوں گے۔(سورۃ الاعراف:۲۳)

غور کیجئے! اس دُعاء میں کس قدر عجز و انکسار اور اقرار و اعتراف ہے۔ سراپا اعتراف و اقرار، نہ ایک حرفِ کبر، نہ کوئی کلمۂ پندار!! یہ دونوں کردار صرف حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کے ساتھ مخصوص نہیں، دنیا میں ہر انسان ان دو میں سے ایک کردار ادا کرتا ہے۔ جس شخص میں حقیقی آدمیت جتنی زیادہ ہوگی وہ حقیقتوں کے اعتراف میں اسی قدر وسیع الظرف ہوگا، عجز و فروتنی اس کے ایک ایک عمل سے نمایاں ہوگی، اس کے بول بھی انکسار کا مظہر ہونگے، اس کی چال بھی شرافت اور بندگی کی شہادت دے گی، وہ دوسروں کے بجائے اپنے آپ میں غلطی کو تلاش کرنے کا عادی ہوگا وہ اپنی غلطیوں کی تاویل و توجیہ کے بجائے سیدھے سادے طریقہ پر اعتراف کا مزاج رکھے گا، وہ اپنی خطاؤں پر نادم اور پشیماں ہوتا جائے گا، خطائیں اور لغزشیں اس کو فوراً جھکا دیں گی، خدا کے سامنے بھی اور خلق خدا کے سامنے بھی، جس شخص میں آدمیت کا عنصر جتنا کم ہوگا اور وہ شیطان کے مزاج سے جس قدر قریب ہوگا، اس میں ''انا'' کا جذبہ اتنا ہی زیادہ ہوگا، اسے اپنی غلطیوں کے اعتراف اور زیادتیوں کے اقرار کا حوصلہ نہ ہوگا، وہ ہمیشہ کسی واقعہ میں ناکامی کا ذمہ دار دوسروں کو قرار دے گا، اسے لوگوں کے سامنے جھکنے میں اور حق اور حقیقت کا اعتراف کرنے میں عار ہوگی، اُصولوں کا پابند رہنے میں اسے ہتک محسوس ہوگی، اس کی رفتار و گفتار سے ظاہر ہوگا کہ وہ اپنے تئیں بڑے ہونے کا احساس رکھتا ہے اور دوسروں کو حقیر جانتا ہے۔

اعتراف اور تواضع سے آدمی کی اصلاح بھی ہوتی ہے اور وہ خدا اور خلق خدا دونوں کی نگاہ میں محبوب بن جاتا ہے، اور انکار و کبر کی وجہ سے کبھی اس کی شخصیت کی اصلاح نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ بھی اس سے ناراض ہوتا ہے، اور گو خلق خدا وقتی طور پر کسی مجبوری کی وجہ سے زبان نہ کھولے، لیکن وہ اس کی نگاہ میں مغضوب ہی ہوتا ہے، ہر شخص ان دو کرداروں میں سے ایک کے قریب ہے۔

آیئے! ہم اپنا محاسبہ کریں کہ ہمارا روّیہ حضرت آدم علیہ السلام سے کتنی مطابقت رکھتا ہے اور اگر ہم اپنے جدِ امجد حضرت آدم علیہ السلام کے اُسوہ سے دور ہیں تو کیا ہم اپنی اصلاح کے لئے تیار ہیں۔؟؟

محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ

(پروفیسر محمد شبیر شاہد ہوتوانی۔چوک اعظم)

(گزشتہ سے پیوستہ)

باباجیؒ نے دین و دنیا کی غلط اصطلاح کے بارے میں بڑی تفصیل سے توضیح فرمائی:

"اخلاق کی طرف سے ہماری لاپرواہی کی ایک وجہ "دین و دنیا" کی غلط اصطلاح بھی ہے جو دورِ غلامی میں ہمارے ذہنوں پر کچھ اس طرح سوار ہوگئی کہ اس نے زندگی کی وحدت کو دین اور دنیا کے علیحدہ علیحدہ خانوں میں بانٹ دیا۔ اسطرح عملی زندگی میں ہم نے بہت سے کاموں کو دنیا داری قرار دے کر دین کی گرفت سے آزاد کرالیا اور اپنی کج فہمی کے باعث یہ فیصلہ کرلیا کہ دنیا داری کے میدان میں نیکی اور پارسائی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ حالانکہ دین سے مراد وہ مکمل آئین ہے جو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زندگی گزارنے کے لئے انسانوں کو عطا فرمایا۔ دنیا حیات ارضی کا نام ہے اور اس کے مقابلے میں قیامت کے بعد نا ختم ہونے والی زندگی کا نام آخرت ہے۔ جو اہل ایمان ہوتے ہیں وہ اس دنیا کی پوری زندگی اللہ کے آئین کے مطابق گزارتے ہیں جس میں انسانی زندگی کے ہر شعبے کے لئے اصولی ہدایات موجود ہیں، یعنی وہ دنیا کو دین کے تحت کر لیتے ہیں۔ جو لوگ اللہ اور آخرت کی زندگی کو نہیں مانتے وہ اس آئین یعنی اللہ کے دین کو بھی نہیں مانتے۔ اپنی زندگی کے سارے کام اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ مختلف قسم کے کاموں کا نام دین اور دنیا نہیں ہے۔

اسلیئے میں یہ کہنے کی جسارت کروں گا کہ "دین و دنیا" کی یہ اصطلاح ہی غلط ہے کیونکہ اس کی ترکیب سے یہ تاثر جنم لیتا ہے کہ دین اور دنیا دو علیحدہ علیحدہ، متضاد اور ایک دوسرے سے مختلف چیزوں کا نام ہے۔ ہمیں قرآن حکیم میں کہیں بھی نظر نہیں آئے گا کہ دنیا کو دین کے

مقابلے میں بیان کیا گیا ہو بلکہ ہر مقام پر دنیا اور آخرت کو آمنے سامنے رکھا گیا ہے، کیونکہ دو زندگیاں ہیں ۔ایک ہماری موجودہ حیات ارضی ہے جو گھٹیا ہے، ختم ہونے والی ہے اور ہمارے لئے تربیت گاہ اور آزمائش ہے ۔دوسری حیات آخرت ہے جو بہت بڑھیا اور نہ ختم ہونے والی ہے اور جہاں ہمارے اعمال کی جزاء وسزا ملے گی ۔اسی لئے قرآن میں خسارے اٹھانے والے لوگوں کے بارے میں یہ نہیں فرمایا کہ انہوں نے دین کے کام چھوڑ کر دنیا کے کام کئے بلکہ یہ فرمایا:

"انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلے میں عزیز رکھا" ۔(نحل 107)

اسی طرح سورہ الاعلیٰ کے آخر میں فرمایا کہ "تم لوگ تو حیاتِ دنیا کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت بہتر اور ہمیشہ رہنے والی ہے" ۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مومنین کو بہترین دعا میں دنیا کی بھلائیاں اور آخرت میں بھی بھلائیاں طلب کرنے کا سلیقہ سکھایا ۔کہیں بھی دین مانگنے کا نہیں فرمایا کیونکہ وہ تو کامل صورت میں رسول اللہ ﷺ کے توسط سے عطا کیا جا چکا ہے ۔

الدنیا مزرعۃ الآخرہ ۔یعنی دنیا آخرت کی کھیتی ہے ۔(الحدیث)

"انسانی زندگی کی روحانی تعبیر" میں آپؒ نے تحریر فرمایا ہے: "محبت کا جذبہ ہی تخلیق عالم کا اصل سبب ہے اور اس کی اعلیٰ ترین صورت انسان ہے، انسانی روح وجود میں آنے کے ساتھ ہی اپنے رب سے محبت کرتی ہے بلکہ ابتدائی حالت میں محبت اور عبودیت کے سوا کوئی دوسری صفت اس میں پائی ہی نہیں جاتی ۔البتہ دوسری صفات کو اپنے اندر جذب کرنے کی اہلیت موجود ہوتی ہے ۔عالم بالا میں انسانی روح سے لیا جانے والا میثاق الست محبت کا عہد و پیمان ہی تو تھا تا کہ انسان دنیا میں جا کر محبت اور عبودیت کے جوہر کو ضائع نہ کر دے ۔اس وقت محبت کا یہ جوہر ابتدائی کیفیت میں تھا اور اس کی تکمیل زمینی زندگی کے دوران، معرفت کا طویل اور کٹھن سفر طے کرنے کے بعد ہونا تھی ۔

انسان کی روحانی قوتیں اور باطنی لطائف بتدریج ترقی کرتے ہیں اور آخر کار وہ

اللہ تعالیٰ کی معرفت اور قرب میں آگے بڑھتا جاتا ہے اور اس کی ذات کا دیدار بھی حاصل کرتا ہے"۔

باباجیؒ نے "انسانی زندگی کی روحانی تعبیر" ہی میں "نفس کشی یا اصلاح نفس" کے عنوان سے وضاحت فرمائی ہے۔" قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اور اس میں دنیوی اور اُخروی زندگی کو کامیاب بنانے کے لئے ہدایات دی گئی ہیں۔اس میں صاف صاف بتادیا گیا ہے کہ جب انسان اس دنیا سے واپس جائے گا تو صرف روح ہی واپس نہیں لوٹے گی بلکہ نفس بھی اس کے ساتھ جائے گا۔قرآن تو ہمیں یہ بتاتا ہے کہ قیامت کے دن تمام انسان مادی جسموں کے ساتھ اٹھائے جائیں گے۔جب یہ حقیقت بتادی گئی ہے کہ نفس اور جسم آخرت کی زندگی میں کام آنے والے ہیں تو انہیں مارڈالنے اور اذیتیں دینے کی تعلیم کیونکر درست ہوسکتی ہے"۔

"نفس کی اہمیت کے پیش نظر دین حق میں نفس کشی کی بجائے اصلاح نفس کی تعلیم دی گئی ہے تا کہ نفس کی قوت سے فائدہ اٹھایا جاسکے اگر چہ نفس کا رجحان دنیوی لذات کی طرف ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ رحم فرمادیں تو یہ کارآمد بن سکتا ہے"۔قرآن کریم میں نفس کی فطرت بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا :

"(یوسف علیہ السلام نے فرمایا) میں اپنے نفس کو پاک صاف نہیں کہتا کیونکہ نفس برائی ہی سکھاتا ہے مگر یہ کہ میرا رب رحم کردے۔بے شک میرا رب بخشنے والا مہربان ہے"۔(یوسف 53)

"نفس کی اصلاح اور تربیت کا پورا نظام ہے اور یہ دین کا نہایت اہم حصہ ہے ۔ اس سلسلے میں اللہ کی محبت میں ڈوبے ہوئے مردان حق اور اہل دل حضرات کی صحبت کیمیا کا اثر رکھتی ہے ۔اللہ والے فقیر اور اولیائے کرام اپنے پاس اٹھنے بیٹھنے والوں اور عقیدت مندوں کی اصلاح ان کے دلوں پر توجہ کرنے سے کرتے ہیں ۔قرآن کریم میں دلوں کے ٹیڑھا اور بیمار ہوجانے کا ذکر آیا ہے جب ایسا ہوجائے تو نفس بالکل بے لگام درندہ بن جاتا ہے کیونکہ قلب کی طرف اللہ کی محبت کا کوئی پیغام اسے نہیں ملتا ۔انسان جب اللہ کے ذکر سے غافل ہوجاتا ہے تو دل مردہ ہوجاتا ہے۔اسطرح روح کو اس کی غذا ملنا بند ہوجاتی ہے تو وہ بھی بیمار اور کمزور ہوکر

مردہ کی مانند ہو جاتی ہے۔ اگر نماز کی پابندی، ذکر پر مداومت، صالح اعمال اور تسلیم و رضا کی راہ پر مومن آگے بڑھتا چلا جائے تو قلب منور ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس کے زیرِ اثر نفس بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت پوری طرح قبول کرلیتا ہے اور اپنی قوت کو نیکی کے کاموں میں صرف کرنے لگتا ہے۔ جو نفس اس مقام پر پہنچ جائے اسے اطمینان والے نفس کا خطاب عطا ہوتا ہے۔ اس حالت میں اللہ کی رحمت اسے قبول کر کے اپنی رضا میں داخل کر لیتی ہے"۔

"اللہ تعالیٰ نے انسان کو جتنی قوتیں عطا کر رکھی ہیں وہ انسان کی بہتری کے لئے ہی ہیں ان تمام قوتوں کو اس ڈھنگ سے استعمال کرنا کہ فائدہ زیادہ سے زیادہ اور نقصان کم سے کم ہو، انسان کی کامیابی کی راہ ہے۔ اللہ کی دی ہوئی شریعت کسی بھی قوت کو ضائع کرنا نہیں چاہتی بلکہ اس سے زیادہ سے زیادہ تعمیری کام لینا چاہتی ہے۔ خواہ وہ نفس کی خواہشات اور جذبات کیوں نہ ہوں۔ وہ خواہشات اور جذبات کو مٹانے کی بجائے انہیں حدود و قیود میں رکھنے کا حکم دیتی ہے۔ وہ مومن کو بتاتی ہے کہ تیرے جسم کا تجھ پر حق ہے، تیرے نفس کا تجھ پر حق ہے وغیرہ وغیرہ۔ ان حقوق کے ادا کرنے پر بھی روحانی ترقی کا انحصار ہے۔

باباجیؒ نے "انسانی زندگی کی روحانی تعبیر" میں جہاں دوسرے تحقیقی کام اور تصورات کی وضاحت فرمائی ہے وہاں ترک دنیا کی حقیقت کا ایک اچھوتا تصور قرآنی تعلیمات کی روشنی میں پیش کیا ہے۔

"ایک مومن کے لئے یہ اشد ضروری ہے کہ ارکان اسلام کی پابندی کے ساتھ ساتھ مادی کائنات کی تسخیر کا فرض بھی ادا کرے۔ اگر کوئی انسان اس حسین و جمیل کائنات سے منہ موڑ کر گوشہ نشینی اختیار کر لے اور سارا وقت تسبیح و مناجات میں ہی صرف کر ڈالے تو اسکا یہ عمل فطرت سے انحراف کے زمرے میں آئے گا۔ اللہ تعالیٰ کا دین تو مسلسل عمل اور جد و جہد کا آئین ہے اور اس میں رہبانیت کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ دنیا میں رہتے ہوئے اس سے دل نہ لگانا رہبانیت سے کہیں زیادہ مشکل ہے اور مشکل کام ہی ہمیشہ افضل ہوتے ہیں۔ ایک مومن کا دن میں پانچ

وقت دنیا کے جھمیلوں کو چھوڑ کر اللہ کے دربار میں حاضری دینا اور پچھلی رات کو اٹھ کر تہجد کی اور فجر کی نماز ادا کرنا رہبانیت سے کہیں افضل ہے۔ کمال انسانیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں اپنا سب کچھ مخلوق خدا کی خدمت کیلئے وقف کردیا جائے"۔

باباجیؒ نے "انسانی زندگی کی روحانی تعبیر" میں قرآنی تعلیمات کی روشنی میں شرک کی وضاحت فرمائی ہے۔

"انسان کی زندگی کا مقصود اللہ کی محبت کا حصول ہے اور یہ ایسی صورت میں ممکن ہے کہ انسان اللہ اور آخرت کی زندگی کو دوسری ہر شے پر ترجیح دینے کی راہ پر گامزن رہے۔ وہ حیات ارضی کے دوران اللہ کے سوا کسی سے بھی دلی محبت نہ کرے اور نہ ہی کسی مقام کو اپنی منزل سمجھ کر اپنا رختِ سفر کھو بیٹھے بلکہ اللہ کے قرب و رضا کی دولت اور دیدار کی نعمت کے لئے آگے بڑھتا چلا جائے"۔

"وہ اس حقیقت سے آگاہ ہو جاتا ہے کہ وہ خود ہی مادی کائنات کا مرکز ہے اس لئے وہ اس کی محبت میں گرفتار نہیں ہوتا۔ متاع دنیا کی محبت میں گرفتار ہونا شرک ہے اور متقین وہ ہیں جو دنیا کی محبت، مال و دولت کے لالچ اور نفس کی ہوا و ہوس سے بچ گئے۔ مومن یکسوئی کے ساتھ اپنا رخ اللہ کی طرف کر لیتا ہے۔ وہ خالق کائنات کے در کو اپنی محبت کا مرکز قرار دیتا ہے اور وہاں سے نظر ہٹا کر اِدھر، اُدھر دیکھنے کو بھی شرک جانتا ہے وہ قرآن کریم کی اس آیت کی مکمل تصویر اور مجسم تفسیر بن جاتا ہے۔

ترجمہ: "میں نے یکسو ہو کر اپنا رخ اللہ کی طرف کر لیا جو آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں"۔

اللہ تعالیٰ سے شدید محبت اور متاع دنیا سے استغناء ہی مسلمانی کی معراج اور اسلامی فقر کی روح ہے۔ باباجیؒ نے اپنی تصنیف "مقصود حیات" (مجموعہ سالانہ خطبات) میں "خواہشات اور شیطان" کے عنوان سے قرآن حکیم کی روشنی میں شیطان اور خواہشات کی پیروی کو شرک لکھا ہے۔

"فرد اور معاشرے کے درمیان صحتمند توازن قائم کرنے کے لئے ہی اللہ تعالیٰ نے دین اتارا اور خواہشات کی حدود و قیود مقرر فرما دیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہماری فطرت اور ہمارے بھلے برے کو خود ہم سے بھی بہتر جانتا ہے اس لئے شریعت کی اصل محبت اور رحمت ہے اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل عطا فرمائی تا کہ وہ اپنی خواہشات کو شرعی حدود کے اندر رکھے اور زمین پر کسی قسم کا فساد نہ پھیلے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: "اپنی خواہشات کے ساتھ اسی طرح جہاد کرو جس طرح اپنے دشمنوں کے ساتھ جہاد کرتے ہو"۔

"اللہ تعالیٰ کے دین کو چھوڑ کر سفلی جذبات کی تسکین کے لئے مادر پدر آزادی کی راہ اختیار کرنا تو نفس کی بدترین غلامی کی صورت ہے اور انسان کو حیوانیت کے درجہ سے بھی نیچے گرا دینے اور تہذیب و تمدن کو موت سے ہمکنار کرنے کا طریقہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کو اپنا محبوب و مطلوب سمجھ کر اس کا دائمی ذکر کرنا اور نفس کی خواہشات کو روک کر اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنا ایک ایسا مضبوط حلقہ ہے جس میں شیطان اور اس کے کارندوں کا داخلہ ممنوع ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ترجمہ: "شیطان کا ان لوگوں پر کچھ زور نہیں چلتا جو ایمان لائے اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اس کا زور ان پر چلتا ہے جو اس کو دوست رکھتے ہیں اور اللہ کے شریک مقرر کرتے ہیں"۔ (النحل 100-99)

قرآن کریم کے مطابق

"اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کسی کو بھی حکمران اور مطاع سمجھنا شرک ہے چاہے وہ اپنا نفس ہی کیوں نہ ہو"۔

ترجمہ: "اور خواہش کی پیروی نہ کرنا وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی"۔ (ص 26)

ترجمہ: "یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر مہر لگادی ہے اور وہ اپنی خواہشوں کے پیچھے چل رہے ہیں"۔(محمد 16)

ترجمہ: "اگر ہم چاہتے تو ان آیات سے اس کو بلند کر دیتے مگر وہ تو زمین کا ہو کر رہ گیا اور اپنی خواہش کے پیچھے چل پڑا تو اس کی حالت کتے کی سی ہو گئی کہ اگر اس پر بوجھ لادو تو زبان نکالے رہے اور یونہی چھوڑ دو تو بھی زبان نکالے رہے ۔یہی حالت ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو آپ ان سے یہ قصہ بیان کر دیں تا کہ وہ غور و فکر کریں"۔(الاعراف 176)

آخری آیت میں تو دنیا کی زندگی کو ہی سب کچھ سمجھ کر نفس کی خواہشات کے پیچھے دوڑنے والوں کو کتے کے ساتھ مشابہت دیتے ہوئے ان کی ظاہری علامات بھی بیان کر دی گئی ہیں کہ ان کے چہروں پر کبھی بھی وقار، سکون اور اطمینان کی جھلک نہ دیکھو گے ۔حالات اچھے ہوں یا برے لیکن ہر وقت ان کی سانس پھولی ہوئی اور وہ ہانپتے کانپتے ہی دکھائی دیں گے ۔اپنے نفس کو دنیا کی زینت کی محبت سے بچائے رکھنا ہی تقویٰ کی روح ہے ۔حضورﷺ کا ارشاد ہے: "دنیا کی محبت ہی تمام خطاؤں اور گناہوں کی جڑ ہے"۔اس لئے مومن کو آخری دم تک اس محاذ پر چوکنا رہنے کی ضرورت ہے کیونکہ ابلیس دمِ واپسیں تک انسان کو راہِ راست سے ہٹانے کی کوشش میں لگا رہتا ہے"۔

نورِالٰہی کا خفیہ کرنٹ قلب محمد ﷺ سے ملتا ہے

(میاں فاروق عنایت)

جو پیغمبر حق حضرت محمد ﷺ پر ایمان نہیں رکھتے ،خفیہ کرنٹ (فیض) جسے نورِالٰہی کہتے ہیں، جس کا منبع ہمارے لئے قلب محمد ﷺ ہے ان کی سمت نہیں بہتا اور روح قرآن سے محروم رہتے ہیں ۔اُمت محمد ﷺ میں جو لوگ حضور ﷺ کو رسول اللہ ﷺ مانتے ہیں وہ کیوں اس فیض (کرنٹ) سے نور سے مستفید نہیں ہو سکتے !اس کا جواب یہ ہے کہ آجکل منافقوں کی اکثریت ہے جو صرف زبان سے تو اقرار کرتے ہیں لیکن ان کے دل ایمان کی تصدیق نہیں کرتے ،تبھی ان کے کام خلافِ قرآن ،خلاف شریعت محمد ﷺ اور خلافِ حکم الٰہی ہیں ۔احکام الٰہی جو الفاظ میں جس قدر سما سکتے تھے وہ قرآن کی صورت میں آگئے ۔لیکن قرآن پاک کے نور کو اس سے سمیٹنے کیلئے کوئی پیا نہ، کوئی ظرف تو چاہیے ۔پس آپ حسب ظرف ہی اس کا نور حاصل کر سکتے ہیں ۔ یہ ظرف ہے کیا چیز ؟ یہ محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان کی حدِ کاملیت کا نام ہے ۔یہ حضور ﷺ سے محبت وعشق کا نام ہے ۔محمد ﷺ سے نہیں بلکہ حقیقت میں محمد ﷺ کے قلب اقدس سے عشق کا نام ہے، جس میں ربّ بستا ہے ۔ربّ کا نور بستا ہے جس سے عالمین کے لئے نور کا چشمہ جاری و ساری ہے ۔ حقیقت میں تو یہ عشق الٰہی کا نام ہے لیکن عشق الٰہی ڈھونڈیں کہاں سے ؟ قرآن پاک سے ۔ حضرت محمد ﷺ نے قرآن پاک کی شکل میں ہمیں وہ انمول خزانہ اللہ کے حکم سے عطا فرمایا ہے کہ جس پر کامل یقین سے (یقین ہی کا نام ایمان ہے اس لئے کامل ایمان سے) سو فیصد ہر حال میں بغیر کسی ٹیڑھ کے بغیر کسی کمی بیشی کے بغیر کسی شک کے بغیر کسی توڑ مروڑ کے پوری جان و دل سے، شوق و ذوق سے ،محبت سے بلکہ عشق کی حدوں کو چھوتی ہوئی محبت سے ہم وہ نور پا سکتے ہیں ، جس کی تلاش میں ہم بھٹکتے پھر رہے ہیں ۔یاد رکھیں ! آپ جتنی مرتبہ اور جس ذوق و شوق سے قرآن پڑھیں گے اس پر غور کریں گے اس کے ہر ہر مقام سے گزرتے ہوئے خود پر وہ کیفیت

طاری کریں گے جس کا وہ متقاضی ہے تو پھر ہر دفعہ نئے نئے نکتے آپ پر کھلیں گے، قرآن کے نئے عجائبات آپ کے سامنے آئیں گے۔ یاد رکھیں! جب ایسے مقامات پر دل کی عجیب کیفیت ہو اور آپ پر رقت طاری ہو جائے تو عشقِ الٰہی میں روتے ہوئے، حضور ﷺ کے دل سے محبت کو بڑھایئے اور حضرت محمد ﷺ کیلئے دعا مانگتے ہوئے رویئے کہ کیا تحفہ تھا جو ہم تک پہنچانے اور ہمیں تعلیم و تربیت دے کر ایک اعلیٰ قوم اور اُمت بنانے کیلئے حضرت محمد ﷺ نے زندگی کے قیمتی ترین 23 سنہری سالوں میں بے پناہ دکھ، تکالیف اور پریشانیاں اُٹھائیں، قربانیاں دیں، اور خود کو لہو لہان کروایا۔ پتھر کھائے، طعنے سنے، اپنے پرائیوں کا ہر ظلم برداشت کیا، مال و زر لٹایا، سکھ چین گنوایا، عزیزوں، رشتہ داروں کو مصائب کا شکار کیا، فاقے اور معاشرتی مقاطع برداشت کیا۔ پھر جس کے نتیجے میں اُمت کو تو سکھ مل گئے لیکن اولادِ محمد ﷺ کو کربلا ملا، یہ سب سوچ کر رویئے اور آپ ﷺ کیلئے ہر نشستِ قرآن میں نماز میں دُعا کیجیے یوں دھیرے دھیرے قلبِ محمد ﷺ سے رشتہ استوار ہوتا جائے گا نہ صرف قرآن پاک کے حجابات کے ہزاروں گوشے بے حجاب ہونے لگیں گے بلکہ بارگاہِ محمد ﷺ میں جو قلبِ محمد ﷺ کے اندر ہے اور خود آپ کے قلب و روح کے اندر بھی ہے، آپ کی حاضری ہوگی پھر حاضریوں اور نورانی سوغاتوں کا ایک سلسلۂ درس و تدریس اور انعام و اکرام بفضل تعالیٰ شروع ہو جائیگا۔ کسی پیغمبر کے متعلق بغض کو اپنے دل میں کبھی نہ آنے دیں ورنہ کچھ بھی کریں منزل کھوٹی رہے گی۔ یہ جو میں نے حضور ﷺ اور اہل بیت نبی مکرم ﷺ کے دکھوں و مصائب کا ذکر کیا ہے اور ان کیلئے رونے کا یہ ایسے دیدہ وروں کے لئے رونا ہے ایسے تکمیل اخلاق و حکمِ الٰہی کے اچھوتے نمونوں اور انمول ہیروں کیلئے رونا ہے، جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ سب کر دکھایا، خود کو اہل بیت نبی ثابت کر دکھایا۔ یہ ان کی نورانی کشش میں آنکھوں کے ذریعے دل کا نذرانہ ہے جو آنسو بن کے پلکوں سے چھلکے گا۔ **اصل میں یہ عشقِ الٰہی کا دریا ہے جو عشقِ محمد ﷺ کی مجازی شکل میں آنکھوں سے حسبِ توفیق بہہ نکلتا ہے۔**

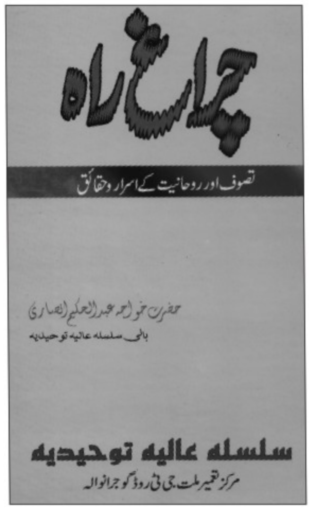
اس انمول آنکھوں سے بہتے چشمہ میں ہی کہیں نورِ حقیقت کے تار جڑے ہوتے ہیں۔

میں نے اس خاص وقت کی عبادت کیلئے زور دیا ہے کہ آپ کو تہجد کی اصل، اہمیت بتلا سکوں ورنہ آپ قرآن کے متن کا مطالعہ کرتے ہی رہ جاتے۔ گو کہ وہ بھی ضرور اہمیت و وزن اور خواص رکھتا ہے اگر نیت کے خلوص سے کیا جائے بطور مسلم۔ لیکن جس گہرائی اور درست سمت کا تعین ہم نے کیا ہے اس کی بات ہی اور ہے۔ یہ شریعت سے طریقت پھر حقیقت کا سفر ہے۔ یہ عام نہیں ہے خاص ہے پھر خاص الخاص ہے اور مستور ہے اس سفر کے زمین و آسمان ہی اور ہیں۔

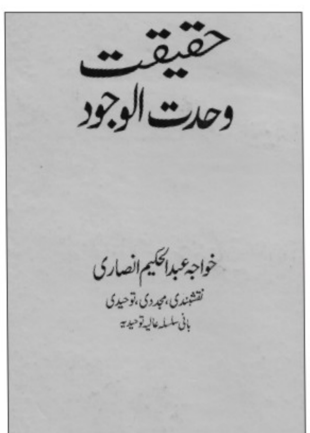
دعائے مغفرت

قبلہ محمد صدیق ڈار صاحبؒ کے صاحبزادے جناب
حامد محمود ڈار صاحب کی خوشدامن کا انتقال ہو گیا ہے
اور اسلام آباد کے بھائی محمد صدیق صاحب
چوک اعظم سے بھائی جناب اصغر علی صاحب کی والدہ
بقضائے الٰہی وفات پا گئے ہیں
(اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعونَ) اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔
تمام بھائی مرحومین کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا فرمائیں۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

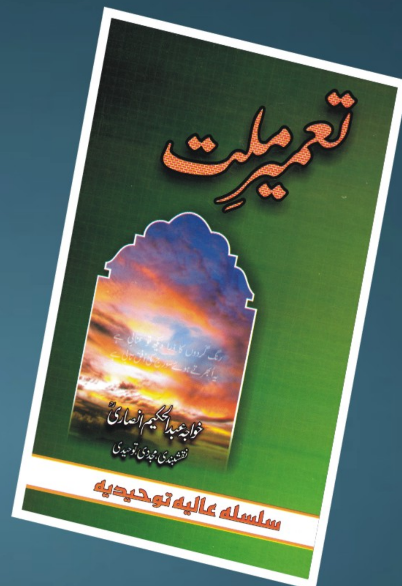


کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔ سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔ زوال اُمت میں اُمراء، علماء، صوفیاء کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔ تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔



وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔ مصنفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کردیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظام کو ہوجانے والی غلط فہمیاں۔

مکتبہ توحیدیہ کی مطبوعات



قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار و رموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمّل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد، اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبّت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

Reg: CPL - 01

Website www.tauheediyah.com